منقول از تشحیذ الاذہان

از

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

محبتِ الٰہی

محبت کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ محبت ایک خیال ہے اور بعض کا قول ہے کہ محبت ایک جذبہ ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ محبت ایک اور ہی چیز ہے جو کہ انسان کی پیدائش کے وقت جبکہ وہ پہلا سانس لیتا ہے اس میں داخل کی جاتی ہے۔ تو کیا محبت ایک انسانی فطرت ہے؟ نہیں نہیں۔ محبت ایک غرض ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آدمی کا نام ہی انسان رکھا گیا ہے جس کے معنے ہیں محبت کرنے والا جیسے کہ سورۃ الرحمٰن میں خدائے عزّ وجل نے فرمایا ہے کہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن: ۴-۵) یعنی انسان کو پیدا کیا اور اس کو قوت بیانیہ بخشی عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کے معنے اس آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے کیا ہی صاف ہو جاتے ہیں کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذاریات: ۵۷) اب دیکھنا چاہیئے کہ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے ایک قولاً اور ایک فعلاً۔ پس اس جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے انسان کو قوت بیانیہ بخشی پس کیا وجہ ہے کہ وہ میری نافرمانی کرتا اور اس قوت بیانیہ سے جو میں نے اس کو عطا کی ہے میری تسبیح و تقدیس نہیں بیان کرتا۔ خلق الانسان سے پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس جگہ اشارہ کرتا ہے۔ اے آدمی میں نے تو تیری پیدائش ہی میں محبت کرنا رکھ دیا ہے۔ تیرا مقصود تو محبت کرنا ہے پھر تو اس قدر احسانات اور عنایات کے باوجود جو کہ میں تجھ پر کرتا ہوں غیر کی محبت میں پڑ گیا ہے۔ اس جگہ ان آیات کے لکھنے سے میرا صرف اتنا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدمی کو پیدا ہی محبت کے لئے کیا ہے اور اس کے پیدا کرنے کا مقصد اور غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہو اور اس دائمی زندگی بخشنے والے سمندر میں ہمیشہ غوطہ زن رہے جیسا کہ کسی شخص کا قول ہے کہ۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

یعنی انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں سرشار رہے اور وہ درد جو کہ محبت کا لازمی نتیجہ ہے اس کی باریک ٹیس سے ایک خاص لذت اٹھائے ورنہ تابعداری اور اطاعت کے لئے فرشتے موجود ہی تھے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ وہ اختیارات جو انسان کو دیئے گئے ہیں وہ کسی اور مخلوق کو نہیں دیئے گئے فرشتہ ایک مخلوق ہے کہ جس کا خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بہت ذکر کیا ہے اور جن کی معرفت خدا تعالیٰ اکثر اپنے بندوں پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے میں نے اکثر اس لئے کہا ہے کہ بزرگ اور اولیاء اس بات کے بھی قائل ہیں کہ بلا کسی وسیلہ کے بھی خدا کا کلام انسان پر نازل ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ اپنے کسی بندہ پر خاص طور سے مہربان ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ ایک ایسا نمونہ موجود ہیں کہ جو ہر وقت ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے اور اگرچہ وہ فوت ہو گئے ہیں مگر پھر بھی ان کے معجزات 'نشانات اور پیشگوئیاں جو کہ ہر زمان اور ہر مکان میں پوری ہو رہی ہیں ایک ایسی حجت ہے کہ جو ہر وقت ہمارے سامنے نبی کریم ﷺ کا زندہ وجود پیش کرتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ سے بلا کسی وسیلہ کے خدا تعالیٰ نے کلام کیا۔ جیسا کہ معراج کے موقعہ پر اور دیگر بہت سے موقعوں پر اور یہی نہیں آپؐ تو بڑی شان کے آدمی تھے۔ آپؐ کے ادنیٰ غلاموں پر خدا تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ایسی شفقت فرمائی ہے کہ ان سے اس طرح بلا وسیلہ مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے۔ میں اس وقت یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ فرشتہ باوجود ایسی مقرب الٰہی مخلوق ہونے کے اس نعمت سے محروم ہے کہ اس کے دل میں محبت پیدا ہو (محبت وہ چیز ہے جو کہ خود بخود ایک مخلوق کے دل میں پیدا ہو) اور فرشتہ جو خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے تو وہ کچھ ارادہ سے نہیں کرتا بلکہ اس کی خلقت میں ایسا رکھا گیا ہے اور اس کے برخلاف نہیں کر سکتا۔ مگر انسان بسا اوقات خدا تعالیٰ سے نفرت بھی کرتا ہے جیسا کہ دہریہ وغیرہ کیونکہ وہ اس ہستی کو مانتے ہی نہیں اور سرے ہی سے اس کا انکار کرتے اور لغو بیہودہ قرار دیتے ہیں۔ پس انسان کی محبت خدا سے اور فرشتہ کی محبت خدا سے ایک فرق رکھتی ہے۔ انسان ایک ارادہ اور خواہش سے اور محبت سے خدائی تعلق کرتا ہے تو فرشتہ بلا ارادہ اور محبت کے پس وہ تعلق اتنا قابل قدر نہیں جو کہ بلا کسی محبت کے ہو بلکہ وہ جو کہ ارادہ اور اختیار سے ہو زیادہ قابل قدر ہے اور یہ مؤخر الذکر تعلق صرف ایک انسان کو ہی نصیب ہے اور باقی مخلوقات پہلی قسم کا تعلق رکھتی ہے۔ یعنی انسان تو بعض دفعہ اپنے اسی اختیار کو جو کہ اس کو خدا تعالیٰ نے عنایت کیا ہے کام میں لا کر اس سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ گو یہ کام کیسا ہی ہو اور اس کا نتیجہ کتنا ہی خطرناک ہو مگر ایسا واقعہ تو ہوتا ہے کہ

ایک انسان خدا سے اپنا تعلق توڑ بیٹھا اور راندہ درگاہ الٰہی ہوگیا۔ مگر اس کے برخلاف دوسری مخلوق ایسا نہیں کر سکتی اور نہ ان میں یہ طاقت اور قوت ہے صرف انسان کو ہی یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دیکھتا ہے اور سوچتا ہے پھر اس کے بعد جو اس کی ضمیر فیصلہ کرتی ہے اس پر عمل کرتا ہے خواہ تو اپنے برے اعمال کی وجہ سے اس طرف میلان کرے کہ جس طرف رجوع کرنے سے وہ ہمیشہ کیلئے تباہ ہو جائے اور یا اسی راہ کو اختیار کرے کہ خدا کے فضل سے منزل مقصود تک پہنچ جائے اور یہ خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (احزاب: ۷۳) یعنی ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی پس انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈرے مگر انسان نے اس کو اٹھالیا۔ تحقیق انسان ظالم اور جاہل ہے اس جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی امانت یعنی محبت کو آسمانوں کے رہنے والوں یعنی فرشتوں اور زمین کے حیوانات اور پہاڑوں کے جانداروں پر پیش کیا مگر وہ اس کے اٹھانے سے ڈرے اور انکار کر دیا مگر انسان نے جو کہ ظالم اور جاہل ہے اس کو اٹھالیا اور محی الدین ابن عربی صاحبؒ جو کہ ائمہ اسلام میں سے گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ اس جگہ پر انسان کی تعریف ہے مذمت نہیں اور ظالم اور جاہل کے الفاظ جو کہ بظاہر برے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں اس جگہ پر تعریف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں اور وہ اس طرح ہے کہ ظالم سے مراد ہے کہ انسان اپنی جان پر ظلم کر سکتا ہے اور ان مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کر سکتا ہے جو کہ خدا کی محبت میں اس کو پیش آویں۔ اور جاہل اس لئے کہ اس نے ان تکالیف اور شدائد کی بابت سوچا بھی نہیں جو اس کو اس راہ میں پیش آسکتی تھیں۔ اور دوسرے حیوانات نے دوراندیشی سے اس سے انکار کر دیا اور گو کہ اس جگہ انسان نے دوراندیشی سے کام نہیں لیا لیکن یہ اس کی تعریف ہے کہ اس نے خدا تعالیٰ کی محبت کو ایک پیاری اور عمدہ چیز دیکھ کر کسی اور بات کا خیال بھی نہیں کیا۔ اور وہ بوجھ جس کا اٹھانا دوسروں نے ناپسند کیا تھا اس کو برضا و رغبت اٹھالیا۔ اور اسی لئے ہے کہ جب انسان اپنے عہد اور اقرار کو پورا کرتا اور خدا کی محبت میں اپنے آپ کو باوجود سخت سخت مصیبتوں اور تکلیفوں کے ثابت قدم رکھتا ہے تو اس پر اس قدر انعام اور اکرام ہوتے ہیں جو کہ کسی اور مخلوق پر نہیں ہوتے۔ پس یہ بات ثابت ہے کہ انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو کہ محبت کرنے کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ اور جس میں ایک طاقت رکھی گئی ہے کہ وہ اپنے خیال میں اپنے نفع یا نقصان کو سوچ سمجھ کر ایک چیز سے

محبت یا نفرت کرے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان کا مشاہدہ جہاں تک ہے اور جہاں تک انسانی عقل کام کر سکتی ہے یہ بات سنت اللہ سے ثابت ہوئی ہے کہ جہاں گل ہے وہاں خار ہونا ضروری ہے اور جہاں صحت ہے وہاں بیماری بھی لازم ہے اور جہاں راحت ہے وہاں غم بھی دروازہ پر سمجھنا چاہیئے اور یہ کہ جہاں کسی چیز سے محبت ہے اس کی ضد سے نفرت بھی لازمی امر ہے۔ پس جیسا کہ انسان کی پیدائش میں خدا تعالیٰ نے محبت رکھی ہے ایسا ہی ایک حصہ نفرت کا بھی رکھا گیا ہے اور اس سے یہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے محبت کی جائے تو غیر اللہ سے نفرت بھی ہو یا یہ کہ جب سستی اور کسل اور بد طینتی اور بد بختی اس کے ساتھ دامن گیر ہو جائیں اور اس کے دل میں غیر اللہ کے لئے محبت پیدا ہو جائے تو لازم و ملزوم کی طرح ہو گا کہ اس بد بخت کو خدائے قادر اور پیدا کنندہ زمین و آسمان سے نفرت پیدا ہو جائے۔ گو کہ یہ نفرت بوجہ اس زنگ کے ہو جو اس کے دل پر اس کی شامت اعمال کی وجہ سے لگ گیا ہے غیر اللہ کی محبت وہ محبت نہیں جو کسی انسان سے کی جائے بلکہ وہ محبت ہے جو خدا کے مقابلہ میں کسی اور سے کی جائے۔ ایک انسان سے محبت کرنا اس لئے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے بھائی بھائی بنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ آپس میں محبت سے اور پیار سے رہو اور ایک دوسرے کی اس کے تکلیف کے وقتوں میں مدد کرو اور یہ کہ اپنے بھائیوں پر احسان کرو ایک ثواب کا کام اور نیکی کی چیز ہے۔ مگر جو محبت اس لئے کی جاتی ہے کہ اس سے کچھ دنیاوی خواہشیں پوری کی جائیں یا شیطانی وساوس کو ترقی دی جائے یا یہ کہ اس محبت میں کسی خدا تعالیٰ کے حکم کے برخلاف کیا جائے پس ایسی محبت غیر اللہ کی محبت ہے۔ اور وہ دن دور نہیں کہ ایسے شخص جو اس قسم کی محبت کرنے والے ہیں اسی دنیا میں پیشتر اس کے کہ ان کی موت کا زمانہ آئے اور وہ خالق حقیقی ان کو روبرو بلائے تاکہ ان سے حساب طلب کیا جائے اس انجام کو دیکھ لیں جو کہ غیر اللہ کی محبت کا ہوتا ہے۔ اس جگہ میں کسی قدر محبت کی تشریح کرتا ہوں۔ محبت ایک جذبہ تو ہے لیکن جذبہ خلقی ہے جو کہ انسان کے پیدا ہونے سے لے کر اس کی موت تک بلکہ ایک نامعلوم زمانہ تک اس کے ساتھ ساتھ جاتا اور ہر جگہ اس کے کام آتا ہے یہ کچھ ایسا زبردست جادو ہے جس کو ایک انسان سمجھ نہیں سکتا کہ کیا ہے اور کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ بارہا دیکھا جاتا ہے کہ ایک چیز کی طرف قدرتاً میلان طبیعت بڑھتا جاتا ہے اور یہاں تک کہ سوائے اس کے کچھ نظر نہیں آتا اور ہر وقت اسی چیز کا خیال دامن گیر رہتا ہے اور خود محبت کرنے والا نہیں جانتا کہ میں اس چیز سے محبت کیوں کرتا ہوں اور کیا وجہ ہے کہ میری طبیعت باوجود اس کے کہ میں اس کو اس طرف سے ہٹانا بھی چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں

کہ میرا خیال کسی اور طرف بٹ جائے لیکن پھر ایک غیبی طاقت کشاں کشاں مجھ کو اور میرے دل کو اور میری آنکھوں کو اسی طرف کھینچے لئے چلی جاتی ہے اور میں بے بسی اور بے کسی کے عالم میں پڑا رہ جاتا ہوں اور میری حالت اس وقت مردہ کی سی ہوتی ہے جس کو اس کے اقرباء نہلا دھلا کر اور ایک کفن میں لپیٹ کر کنج لحد میں جا لٹاتے ہیں اور وہ بے چارہ اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ ہاتھ بھی ہلا سکے۔ یا ایک بے جان لکڑی کے ٹکڑے کی سی ہوتی ہے کہ اس کو کوئی اٹھا کر کہیں پھینک دیتا ہے تو کہیں کوئی ترکھان ایک تیز ہتھیار سے کاٹ کاٹ کر طرح طرح کی چیزیں بناتا اور اپنے دام کھرے کرتا ہے۔ وہ ہے کہ جانتی بھی نہیں کہ مجھ سے کیا کیا جا رہا ہے یا ایک کمزور عورت جو خلقی طور پر کمزور پیدا کی گئی ہے اس کو اٹھا کر تیز اور تند جلتی ہوئی آگ کی نذر کر دیتی ہے جہاں وہ ایک پل میں خاک کی ایک چٹکی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ ہاں خود محبت کرنے والا نہیں جانتا کہ یہ بہکی بہکی باتیں اور یہ بے بسی کے کام مجھ سے کون کرواتا ہے۔ اصل میں یہ قدرت کے سایہ تلے محبت کا زبردست ہاتھ ہی ہوتا ہے جو اس قدر طاقت اور قوت کے ساتھ زبردست سے زبردست دل کو موم سے زیادہ نرم اور دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتا ہے۔ بارہا دیکھا جاتا ہے کہ ایک سخت دل اور طاقتور جوان جو میدان جنگ کے خوفناک سین (نظارہ) سے ذرہ بھر بھی خوف زدہ نہیں ہوتا، جو قتل و خون کو ایک معمولی کھیل سے زیادہ نہیں سمجھتا اور جس کے خیال میں چمکتی ہوئی تلوار اور دل دہلا دینے والی گولی کی آواز ایک دل خوش کن نظارہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ یکایک اس سے زیادہ سخت محبت کے ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے اور ایسا خود رفتہ ہوتا ہے کہ اس کی پہلی بہادری اور جرأت ایک دم میں کافور ہو جاتی ہے۔ اور وہ جو کہ ایک فوج کے سر کو جھکا دیتا تھا اب ایک بچپن کے دوست اور تکلیف کے وقتوں کے غمگسار کے آگے اس طرح سر تسلیم خم کئے کھڑا ہوتا ہے گویا کہ اس کے کانوں نے شوخی اور بہادری اور جرأت کا نام ہی نہیں سنا۔ ایسا کون کرواتا ہے یہ محبت ہی تو ہے لیکن یہ محبت اس محبت سے زیادہ قوی ہے جو اس کو میدان جنگ میں کھڑا کرتی تھی۔ اس وقت اس کو ملک و دولت یا کسی اور چیز کی محبت تھی جو جنگ کی ترغیب دیتی تھی۔ لیکن اب وہ محبت ہے جو کہ ایک انسان کے حسن اخلاق اور دیگر احسانوں نے پیدا کر دی ہے۔ میرے خیال میں محبت کو اور چیزوں کے ساتھ تشبیہ دینے کے بجائے اگر آگ کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ کیونکہ محبت اگر کسی چیز کے لئے حد سے بڑھنا شروع ہوتی ہے تو اس شخص کو کچھ ایسا محو کر دیتی ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔ بیشک غیر اللہ کیلئے ایسی محبت انسان کو خاک کر کے چھوڑتی ہے۔ لیکن یہ

محبت کی آگ جب خدا کی مرضی کے مطابق بھڑکائی جاتی ہے تو گو کہ اس کا کمال یہی ہے کہ اس کو جو محبت کی آگ کو اپنے دل میں بھڑکا رہا ہے خاک کر دے۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ وہ خاک بھی پھر خاک شفا بن جاتی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

عشق مولا جو کرے شمع صفت جلوہ گری -:- خاک ہو جائے جو پروانہ تو بن جائے پری

یعنی اگر خدا تعالیٰ کا عشق شمع کی طرح لوگوں پر ظاہر ہو تو اس وقت وہ لوگ جو اس سے محبت کرنے والے ہیں گو کہ پروانہ کی طرح اس پر فدا ہو جائیں اور اس میں یعنی محبت کی آگ میں جل کر خاک ہو جائیں پھر بھی وہ جلنے کے بعد بجائے پروانہ کے پری ہو جائیں گے۔ یعنی پروانہ تو ایک ناچیز کیڑا ہے اسی طرح انسان بھی ایک ناچیز کیڑے سے زیادہ نہیں لیکن جب خدا کی محبت کو اپنے دل میں بھڑکاتا ہے اور اس میں جل جاتا ہے تو اس وقت خدا اس کو پری کا درجہ دے دیتا ہے (پری ایک خیالی مخلوق ہے کہ لوگوں نے اس قدر خوبصورت متصور کیا ہے کہ کوئی اور مخلوق اس کے برابر حسین اور خوبصورت نہیں ہے) یعنی وہ لوگ پھر اس قدر عالی مرتبہ اور حسین ہو جاتے ہیں کہ خلقت ان پر ٹوٹی پڑتی ہے اور وہ عشق الٰہی کی آگ میں خاک ہو کر خاک شفا ہو جاتے ہیں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ان کو خدا تعالیٰ مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ وہ وقت کیا عظیم الشان وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت وہ گمنامی کے گڑھے سے ایک دم شہرت کے اونچے ٹیلے پر بٹھائے جاتے ہیں پس دنیا دیکھ لیتی ہے کہ یہ ہے اس محبت کا انجام جو کہ اس نے خدا سے کی تھی۔ چونکہ خدا تعالیٰ اپنے محبت کرنے والے کو کبھی نہیں چھوڑتا اس لئے وہ روز بروز ایسے شخص کو ترقی دیتا اور اس کے تابعداروں کے حلقہ کو روز بروز بڑھاتا جاتا ہے اس وقت اگرچہ وہ شخص تنہائی چاہتا ہے اور خلوت کو پسند کرتا ہے۔ لیکن لوگ جوق در جوق اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کو ہر وقت گھیرے رہتے ہیں اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس نے خدا کے لئے اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا تھا۔ اور ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ پس خدا اس گمنامی کا بدلہ جو اس شخص نے اس کے لئے اختیار کی تھی اس طرح دیتا ہے کہ روز بروز اس کی شہرت کو زیادہ کرتا ہے اور وہ جو اس کے مخالف ہوتے ہیں انہیں تباہ کرتا ہے اور اس وقت وہ شخص جو برسوں خدا کی محبت میں دن گزار رہا ہے خدا کا محبوب ہو جاتا ہے اور کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جو کہ محبت اس سے کرتا ہے جو دائمی ہے اور جو طاقت رکھتا ہے کہ اپنے چاہنے والے کو بدلہ دے اور جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور جو کل صفات سے موصوف ہے بہ نسبت اس شخص کے جو محبت اس سے

کرتا ہے جو آخر مرنے والا ہے تباہی ہر وقت اس کا انتظار کر رہی ہے اور اس وقت اس سے محبت کرنے والے کو سوائے تباہی بربادی' ذلت اور رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ ہاں مگر اس شخص کو جو کسی دوسرے سے خدا کی رضا کے حاصل کرنے کے لئے محبت کرتا ہے گو کہ وہ فانی چیز ہے لیکن خدا کی رضا تو فانی نہیں۔ جب ایک شخص خدا کے رسول سے محبت کرتا ہے کہ اس کی بدولت میں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کروں اور تا کہ خدا کی رضا میرے شامل حال ہو جائے اس محبت میں وہ روز بروز ترقی حاصل کرتا اور آخر کار سب رشتوں سے زیادہ وہ اس کو عزیز ہو جاتا ہے باپ بیٹا بھائی اور دوسرے عزیزوں کی محبت اس کے دل میں کہیں کم ہوتی ہے بہ نسبت اس محبت کے جو وہ خدا کے رسول سے کرتا ہے۔ یہ محبت اگرچہ ایک انسان سے ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ خدا کی محبت بھی ترقی کرتی جاتی ہے اور جب ایک شخص اس غرض سے اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں اور بھائی سے محبت کرتا ہے کہ خدا کا حکم ہے تو اس محبت کی تہہ میں بھی خدا کی ہی محبت ہوتی ہے۔ قیامت کے دن ایسے شخص کے سر پر خدا کا سایہ ہو گا۔ اور اس قادر مطلق مالک یوم الدین کی پیاری آواز اس شخص کے کان میں آئے گی اور اس وقت اس کو کیسی خوشی ہو گی جب وہ سنے گا کہ اے میرے بندے تو نے مجھ سے محبت کی اور میرے لئے تکلیفیں اٹھائیں تیرا چلنا پھرنا کھانا پینا اور جاگنا سونا سب میرے ہی لئے تھا۔ تو نے میری رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھا اور جن سے میں نے کہا تھا تو نے محبت کی اور جن کے تعلق سے میں ناراض تھا تو ان سے الگ رہا۔ اس وقت کیسی خوشکن آواز اس کے کان میں پڑے گی۔ کہ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ۔ (الفجر: ۳۰،۳۱) اس وقت اس کو ان چند روزہ تکالیف کے بدلے جو کہ اس نے خدا کے لئے برداشت کی ہوں گی دائمی بہشت ملے گا اور وہ ہمیشہ کیلئے اس محبت کا ثمرہ پالے گا جو اس نے خدا سے کی۔ میں اس جگہ یہ بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ محبت وہی نہیں کہ جو کسی انسان سے کی جائے یا کسی اور چیز سے کی جائے بلکہ میرے خیال میں ہر اک کام میں جو انسان کرتا ہے اور ہر اک بات جس کو انسان ترک کرتا ہے اس کی محبت یا نفرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ انسان اپنے پیدا ہونے کے وقت سے جتنے کام کرتا ہے سب محبت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب انسان کو کسی کام کی محبت نہ ہو تو وہ کیونکر اس کو کر سکتا ہے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ محبت کیونکر پیدا ہوتی ہے میرے خیال میں محبت حسن سے پیدا ہوتی ہے اور شاید سب دنیا اس کو قبول کرتی ہو گی۔ اب خواہ حسن صورت ہو خواہ حسن سیرت ہو اور خواہ حسن انجام ہو۔ حسن صورت اس طرح کہ انسان ایک چیز کو اس لئے پسند کرتا ہے کہ اس کی شکل بھا گئی ہے اور اس میں

کوئی چیز ایسی ہے یا خصوصیت ہے جو اس کی آنکھوں کو پسند آگئی ہے اور حسن سیرت اس طرح کہ کسی کے اچھے اخلاق اور عمدہ برتاؤ سے ایک شخص کا دل اس طرف مائل ہو جاتا ہے اور ایسی محبت اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے کہ وہ محبت کرنے والا شخص اس دوسرے شخص کی جگہ اپنے دل میں خاص طور سے پاتا ہے۔ اور حسن انجام اس طرح کہ ایک شخص کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور غور کرتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہو گا جب وہ اس کے انجام کو اچھا اور سود مند دیکھتا ہے تو وہ ہر طرح سے اس کام کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ تین قسم کی محبتیں ہیں جو میرے خیال میں طرح طرح کی شکلوں میں انسان کی زندگی میں پیش آتی ہیں۔ بعض دفعہ انسان ایک چیز سے محبت کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ مجھ کو اس سے کیوں محبت ہے اگرچہ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے لیکن اس شخص کی نظروں سے پوشیدہ۔ دیکھا جاتا ہے کہ ایک آدمی مدت تک ایک جگہ رہتا اور پھر جب وہ کسی وجہ سے اس جگہ کو چھوڑتا ہے تو اس کے دل میں ایک قسم کا قلق اور گھبراہٹ پائی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ جتنی مدت تک اس جگہ رہا کبھی بھی اس جگہ کی محبت اس کے دل میں جوش زن نہیں ہوئی۔ اسی طرح دو بچپن کے دوست جو ایک جگہ رہتے رہے ہیں اور جنہوں نے ایک ہی جگہ تعلیم پائی ہے۔ شاید بہت کم ایسے موقعہ پاتے ہوں گے کہ انہیں ایک دوسرے کی محبت محسوس ہو لیکن جدائی اچانک آکر اس محبت کو شعلہ زن کر دیتی ہے جو ان کے دلوں میں مدت سے خفیہ طور پر بڑھ رہی تھی اس وقت وہ جانتے ہیں اور ان کے دل اچھی طرح محسوس کر لیتے ہیں کہ ہاں ہمیں آپس میں محبت تھی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت اس آگ کی طرح ہے جو آہستہ آہستہ دہکتی رہتی ہے اور جب اس کو کسی چیز سے ہلایا جاتا ہے تو وہ اچانک شعلہ زن ہوتی ہے۔ میرے خیال میں استغفار پڑھنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ محبت الٰہی کی آگ کو بھڑکایا جائے کیونکہ انسان استغفار پڑھنے کے وقت اپنے گناہوں کو اپنے سامنے دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو یہ گناہ مجھ میں اور میرے پیارے میں جدائی ڈالیں گے۔ اور آخر کار میں خدا تعالیٰ سے دور جا پڑوں گا جس سے میں محبت کرتا ہوں اور شیطان کے نزدیک ہو جاؤں گا۔ جس سے میں نفرت کرتا ہوں۔ پس اس جدائی کو سامنے دیکھ کر وہ کانپ اٹھتا ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں اور بھی جوش زن ہوتی ہے۔ اور اس طرح وہ ان گناہوں کو یک لخت ترک کر دیتا ہے جن کی کہ وہ واقفیت حاصل کر لیتا ہے اور ان بندوں کے لئے جو آخر کار گناہوں کے پھندے سے نکل جاتے ہیں استغفار ایک ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جتنا خدا کے قریب جاتے ہیں اتنا ہی ان کے دل میں

اس کے پاس جانے کا اور اشتیاق بڑھتا ہے۔ اور وہ جو کچھ کہ فاصلہ بیچ میں ہوتا ہے اس کو ایک گناہ تصور کرتے ہیں اور خدا سے التجا کرتے ہیں کہ ہم کو اور بھی اپنے نزدیک کر لے۔ غرض کہ یہ محبت ایک ایسی زبردست طاقت ہے کہ یہ ایک طاقتور اور کمزور انسان پر یکساں حکومت کرتی ہے۔ محبت کے کمال کا نام دنیا میں استقلال رکھا گیا ہے۔ بعض لوگوں میں محبت کی قوت بہت کم ہوتی ہے انہی لوگوں کا نام بالفاظ دیگر کم ہمت اور بے استقلال ہے۔ کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کی خواہش ہی بدرجہ کمال نہ ہو گی تو کس طرح ایک عرصہ دراز تک اس کے حاصل کرنے کے لئے سرگرداں و پریشان رہ سکتا ہے۔ مگر جب ایک شخص کو کسی چیز سے بہت ہی انس ہو گا اور وہ چاہے گا کہ کسی طرح میں اس کو حاصل کر ہی لوں۔ اس وقت وہ ہر قسم کی تکالیف اور مصائب اور شدائد کو برداشت کر لے گا۔ اور ہر طرح سے آخر اس کو حاصل کر ہی لے گا جیسا کہ کسی نے کہا ہے مَنْ جَدَّ وَجَدَ ورنہ کم سے کم وہ دنیا پر ثابت کر دے گا کہ میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ کم توجہی سے کسی کام کو ناتمام چھوڑ دوں بلکہ جب تک میرے ہاتھ پاؤں چلیں اور جب تک دنیاوی وسائل میرا ہاتھ بٹا سکیں۔ میں ہر ایک اس کام کو جس کے کرنے کا ارادہ کر لوں کمال تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ ہیں محبت کی طاقتیں اور قوتیں جن سے وہ دنیا میں کام لیتی ہے۔ یہ جب جوش زن ہوتی ہے تو اس وقت انسان کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے اس کے ہوش و حواس سب ہوا ہو جاتے ہیں اور بے چینی اور بے کلی اس وقت اس کی جلیس ہوتی ہیں وہ اپنے دل میں ایسا درد محسوس کرتا ہے کہ سوائے چند گرم آنسوؤں کے جو کہ اس کی گھبراہٹ کا کچھ تھوڑا سا حال بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کوئی نہیں ہوتا جو اس کی حالت کا اظہار کر سکے۔ بلکہ خود اس کی طاقت گویائی بھی کچھ کام نہیں دیتی۔ اور وہ جس کی زبان کبھی تالو سے نہ لگتی تھی۔ کلیجہ تھامے ہوئے بیٹھا ہؤا نظر آتا ہے۔ یہ حالت اس قابل ہوتی ہے کہ اس کا مشاہدہ کیا جائے۔ لیکن یہ تو تب ہو اگر دوسروں کو ایسا واقعہ پیش نہ آتا ہو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک۔ بلکہ قبر کے کونہ تک یہی واقعات پیش آتے ہیں۔ ایک دودھ پیتا بچہ تک بھی اپنی ماں کی گود میں اور ایک اجنبی کی گود میں فرق محسوس کرتا ہے اور دوسرے کے ہاتھوں میں جا کر خواہ مخواہ رو پڑتا ہے یا بیکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت اپنے پرائے میں کچھ تمیز نہیں کر سکتا اور اس کو نہیں معلوم ہوتا کہ کون میرا دوست ہے اور کون میرا دشمن ہے وہ صرف اس محبت کے تعلق کی وجہ سے جو اس کو اپنی والدہ سے ہوتی ہے غیر میں اور اپنی ماں میں ایک فرق محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ کہ دل را بہ دل رہیست۔ یعنی اگرچہ ایک کو دوسرے کی محبت کا

علم بھی نہ ہو تو بھی بوجہ محبت کی کشش کے وہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب بچہ ذرا بڑا ہو جاتا ہے تو اس وقت بھی وہ محبت کے اثر سے محفوظ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنے ہم عمر بچوں سے محبت کا تعلق رکھتا ہے اور جب وہ کچھ اور بڑا ہوتا ہے۔ یعنی بلوغت کے قریب پہنچتا ہے تو اس وقت سے دوسرا سلسلہ محبت کا شروع ہو جاتا ہے یعنی اس کو کسی قدر عقل آجاتی ہے کہ محبت کرنے کے لائق ایک اور ہستی ہے جو کہ زمین و آسمان کی پیدا کرنے والی اور برے بھلے کی فرق کرنے والی ہے۔ پس اس وقت اگر وہ اپنی اصلاح کرتا اور صاف اور سیدھی راہ پر چلتا ہے تو آئندہ زندگی میں اس کے لئے بہت سی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ راہ جو بہتوں کو بہت دشوار اور ناقابل گزر معلوم ہوتا ہے اس کے لئے ایک عمدہ آسان اور بلاخوف و خطر ہو جاتا ہے۔ پھر اسی طرح انسان جوان ہو کر بھی بہت سے تعلقات رکھتا ہے اور اس کو محبت کرنی پڑتی ہے۔ اور جب وہ بوڑھا ہوتا ہے تو تعلقات اور بھی زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ محبت بھی ترقی کر جاتی ہے۔ اور پھر بوجہ ایک لمبی عمر پانے کے بوڑھا آدمی اپنے کئی دوستوں کو چھوڑ چکا ہوتا ہے اور وہ اس سے پہلے اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ چکے ہوتے ہیں اور خواہ مخواہ اس کو وہ زمانہ جبکہ یہ اپنے دوستوں میں بیٹھتا تھا یاد آتا ہے اور محبت اس کو بیقرار کرتی ہے اور نہیں تو اپنی پچھلی عمر کی باتیں یاد آکر اس کی خدا سے محبت اور بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے گناہوں سے ڈرتا اور پچھتاتا ہے اور اگر دوستوں کی جدائی کا داغ بھی رکھتا ہو اور کچھ صلاحیت بھی رکھتا ہو تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ یعنی سب کے لئے فنا مقدر ہے اور تکلیفیں آرام کے ساتھ ضروری ہیں۔ لیکن صرف ہاں صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے جو ان تمام انقلابات اور فنا سے پاک ہے یا بے اختیاری میں وہ یہ کلمہ زبان پر لاتا ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ: ۱۵۷) یہ فقرہ جو کسی غم کے وقت بولا جاتا ہے میرے خیال میں اس کے معنوں میں بھی محبت کی طرف ایک اشارہ ہے۔ یعنی جب ایک چیز جس کو ہم پسند کرتے ہیں ٹوٹ جاتی یا گم ہو جاتی ہے یا ایک شخص ہم سے جدا ہوتا ہے خواہ دائمی خواہ ایک وقت مقررہ تک کے لئے اس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تو خدا کے لئے ہی ہیں اور ہم نے اسی طرف لوٹنا ہے یعنی فنا سب کے لئے ہے سوائے خدا تعالیٰ کے اور ہم بھی کسی دن انہی فنا شدہ لوگوں کی طرح فنا ہو جائیں گے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقرے میں ایک محبت کا بھی اشارہ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو سکھلاتا ہے کہ نقصان کے وقت تم یہ پڑھا کرو اور اس میں اشارہ فرماتا ہے کہ تم تو میرے لئے ہی ہو اور میرے پاس ہی لوٹو گے اور ایک میری ہی ہستی ہے کہ جس کی محبت تم کو کچھ فائدہ دے

سکتی ہے۔ تو کیا وجہ کہ تم ایک فانی چیز سے اس قدر محبت کرتے ہو تم کو تو چاہیئے کہ تم مجھ سے محبت کرو جو فانی نہیں۔ وہ چیزیں تو تم سے جدا ہونے والی ہیں اور اس کے برخلاف میری طرف تم لوٹنے والے ہو اور مجھ سے تم کو جدائی نہیں تو بتلاؤ کہ ایسی چیز سے محبت کرنی چاہیئے جو جدا ہونے والی ہے اور آخر رنج دینے والی ہے یا اس ہستی سے جس کی طرف لوٹنا ہو گا۔ اور اس سے کبھی لوٹنا نہ ہو گا اور ہمیشہ اس محبت کا ثمرہ ملتا رہے گا۔ پس جب انسان کسی خسارہ یا تکلیف کے وقت اس فقرہ کو زبان پر لاتا ہے تو اس کے دل میں فوراً صبر اور استقلال کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ کہ کیا وجہ میں ایک فانی چیز سے محبت کروں جبکہ نہایت حسین اور نہایت پیارا غیر فانی خدا میرے سامنے محبت کرنے کو موجود ہے۔ مگر جب انسان خدا سے محبت کرتا ہے تو ساتھ ہی اس کے دل میں خدا کی مخلوق کی محبت بھی جوش زن ہوتی ہے اور جتنا وہ اس میں بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اس میں بھی ترقی کرتا ہے۔ اس وقت انسان جس چیز کو دیکھتا ہے معاً قادر خدا کی قدرت یاد آجاتی ہے کہ یہ سب صناعیاں اسی کی ہیں۔ اور جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ سب اسی کی مخلوق ہے۔ پس بوجہ اس کے کہ وہ اس کے محبوب کی بنائی ہوئی چیز ہے اور اسی کے ارادہ اور حکم سے بنی ہے وہ اس کی قدر کرتا ہے اور اسی لئے وہ ان گناہوں سے بچ جاتا ہے جن میں کہ دوسرے لوگ اس وجہ سے پھنسے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کو خدا سے محبت نہیں ہوتی یا اس درجہ تک نہیں ہوتی مثلاً ایک خدا سے محبت کرنے والا انسان اسراف سے پرہیز کرے گا کیونکہ وہ برداشت ہی نہیں کر سکے گا کہ ایک چیز جو کہ خدا نے اس کو دی ہے بلا ضرورت اور بلاوجہ ضائع کی جائے اور وہ ظلم و تعدی سے پرہیز کرے گا کیونکہ اس کی طبیعت اس کی متحمل نہیں ہو سکے گی کہ خدا تعالیٰ کی بنائی چیز کو تباہ کرے اور اسی طرح اس محبت سے جو کہ ایک انسان کو خدا سے ہو وہ دیگر تمام گناہوں اور کمزوریوں سے بچتا ہے۔ اور برخلاف اس کے جو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں رکھتا اگر انجام کے خوف سے اور سزا کے ڈر سے گناہوں اور بدیوں سے بچنے کی کوشش بھی کرے تو اس حد تک نہیں بچ سکتا جہاں تک کہ وہ شخص جو کہ محبت اور اخلاص کی وجہ سے بچتا ہے۔ اس وقت یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ اخلاص سے کام کرنے والا انسان بھی ایک قسم کی سزا کا ڈر اور خوف رکھتا ہے مگر وہ بھی اس لئے ہوتا ہے کہ کہیں میری محبت میں خلل نہ آجائے اور ایسا نہ ہو کہ میں خدا تعالیٰ سے دور جا پڑوں۔ ہاں بعض اولیاء کے قول سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے انسان بھی دنیا میں ہوتے ہیں جن کے دل میں خوف دوزخ یا امید بہشت کچھ بھی نہیں ہوتا اور صرف اس اخلاص اور محبت کی وجہ سے اعمال کرتے ہیں جو کہ ان کو خدا سے ہوتا ہے اس

جگہ اصل مطلب تو میرا یہ ہے کہ اخلاص اور محبت الٰہیہ سے انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ اور محبت کے درجے مختلف ہیں۔ جتنی محبت ہو گی اسی قدر قرب الٰہی نصیب ہو گا اور گناہوں سے بچنے کی توفیق ملے گی۔ پس ضروری ہؤا کہ گناہوں سے بچنے کیلئے اور ترقی درجات کے لئے ہم اپنا تعلق خدا سے بڑھائیں اور اپنے دل میں وہ اخلاص اور وہ محبت پیدا کریں جس سے کہ ہم خدا تعالیٰ کے قریب ہو جائیں اور شیطان ہم پر حملہ کرنے سے روکا جائے اور ہم ایک سورج کی طرح ہوں جس سے ایک دنیا روشنی پکڑتی ہے۔ مگر مسئلہ زیر بحث تو یہ ہے کہ آیا وہ خدا جس سے ہمیں محبت کرنی چاہیئے وہ عیسائیوں کا خدا ہے' یہودیوں کا خدا ہے' ہندوؤں کا خدا ہے یا مسلمانوں کا خدا ہے۔ اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تو ایک ہی ہے مگر مختلف مذاہب مختلف رنگوں میں اس کو پیش کرتے ہیں اور مختلف شریعتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں☆ اور یہ مذاہب کا جھگڑا بہت پرانے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اس لئے ایک صاحب بصیرت کا فرض ہے کہ وہ غور سے سب مذاہب پر نظر ڈالتے ہوئے فیصلہ کرے کہ کون سا مذہب سچا اور کون سا خدا اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ بالفاظ دیگر کون سا مذہب ہے جو کہ خدا کی طرف سے ہے۔

اب اس موقع پر ہم مختلف مذاہب پر ایک مختصر نظر ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین اس سے فائدہ اٹھائیں اور کسی وقت جب کہ ان کو اس قسم کا مباحثہ کرنا پڑے تو اس پر نظر رکھیں۔ پہلے ہم عیسائیوں کے خدا کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ عیسائی اپنے خدا کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہیں دیکھا جاتا ہے کہ عیسائی ایک مدت سے توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے قائل ہیں۔ یعنی وہ اس بات کے قائل ہیں کہ توحید تثلیث میں ہے اور تثلیث توحید میں ہے اگرچہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو انسانی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک تین ہو اور تین ایک۔ مگر خواہ یہ ٹھیک ہو یا نہ ہو عیسائی ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور تین کے قائل ہیں اور پھر ساتھ ہی ایک کے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس تین خدا ہیں لیکن ساتھ ہی یہ سب ایک ہی ہیں۔ پہلے تو ہم اس بات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب بہت کچھ انسانی دست برد کے

☆ اس وقت بہت سے ناظرین کے دل میں یہ خیال پیدا ہؤا ہو گا کہ ایک فرقہ تو خدا کا منکر ہی ہے پس پہلے خدا ثابت کیا جائے تو پھر کوئی اور بات شروع ہو گی مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ میرا مضمون ہے دہریہ کے خیالات کا رد۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ محبت کا مادہ دل میں ہو اور محبوب کوئی نہ ہو جبکہ دل میں محبت کا مادہ موجود ہے کہ اس کا صانع یا خالق کوئی ہے جس نے محبت کا مادہ دل میں پیدا کیا ہے اور انسانی دل بھی خواہ مخواہ اس کی طرف کشش کرتا ہے کہ اس کو ڈھونڈ نکالے۔ پھر ہم دہریہ سے سوال کرتے ہیں کہ خلائق کس نے پیدا کی اور جب وہ ذرات عالم کی طرف اشارہ کرے تو پھر یہ سوال ہو گا کہ ان کو کس نے پیدا کیا۔ اور اسی طرف ایک حد تک چل کر ایک طاقت ماننی پڑے گی جو کہ یہ سب کام چلا رہی ہے پس وہی تو خدا ہے جو خالق ارض و سماء اور علیم و خبیر ہے تمام نیک صفات کا مجموعہ ہے۔ پس دہریہ کا ابطال تو یہ مضمون خود کر رہا ہے پھر اس کا ذکر لانا بالکل فضول ہے۔

نیچے آچکا ہے۔ کیونکہ تین خداؤں کی کونسل ظاہر کرتی ہے کہ ایک خدا انتظام مخلوق سے قاصر ہے جو کہ خود ان کے عقیدہ کے برخلاف ہے۔ وہ خدا کو قادر مطلق سمجھتے ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہو کہ تینوں قادر ہوں قادر مطلق تو وہ ہے جو بلا کسی اور کی مدد کے حکمران ہو مگر یہاں تو دو اور ساتھ لگے ہوئے ہیں ہم خود عیسائی سلطنتوں میں دیکھتے ہیں کہ جب ایک کام پر ایک سے زیادہ آدمی لگائے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک کو دوسرے کی نسبت زیادہ اختیار دیئے جاتے ہیں اور وہ بوجہ اس امتیاز کے جو کہ اپنے دوسرے ساتھیوں پر رکھتا ہے اس اختلاف کو مٹاتا ہے جو کہ وقتاً فوقتاً حادثات زمانہ اور ضروریات وقت کی وجہ سے ان میں پڑ جاتا ہے۔ پس اگر یہ ممکن تھا کہ تین ہی قادر مطلق ہوں تو یہ عیسائی سلطنتیں جو کہ حضرت عیسیٰؑ کی غلامی کا دم بھرتی ہیں کچھ نمونہ ہم کو بھی تو دکھلائیں کہ کس طرح تین کا قادر مطلق ہونا ممکن ہو سکتا ہے جبکہ اس کے ساتھ ملتی ہوئی بات بھی ہم ان میں نہیں پاتے تو کیونکر خیال کر سکتے ہیں کہ ان کے خدا تین بھی ہیں اور پھر قادر مطلق بھی اور پھر ایک کے ایک۔ تین کا ہندسہ ظاہر کرتا تھا کہ انتظام کے لئے کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہوگا۔ مگر افسوس اور حیرت کی بات تو یہی ہے کہ پھر وہ تینوں قادر مطلق بھی ہیں اگر کثرت رائے ہوتی ہے تو جب ایک مخالف کی بات نہ مانی جاتی ہوگی تو کیا اس کی قدرت میں کوئی فرق نہیں واقع ہوتا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ کچھ ایسا بے ڈھنگا اور لغو واقع ہؤا ہے کہ کوئی انسانی عقل حتیٰ کہ خود عیسائی بھی اس کو سمجھ نہیں سکتے بلکہ جب ان سے سوال کیا جائے تو صاف جواب دیتے ہیں کہ یہ عقیدہ انسانی عقل سے بالا ہے مگر کیا وہ عقیدہ جو انسانی عقل سے بالا ہو اس قابل ہے کہ انسان کے سامنے پیش کر کے اس کو پریشان اور حیران کر دیا جائے کیا یہ عیسائیوں کے خدا کی کونسل کا ظلم نہیں کہ وہ ایسا عقیدہ انسان کو منوانا چاہتی ہے جس کے مطابق اس نے انسان کا دماغ بنایا ہی نہیں۔ ایک دنیاوی گورنمنٹ تو اپنی رعایا کی بہتری کی تجاویز سوچتی ہے اور نہیں تو کم سے کم اس بات کا خیال رکھتی ہے کہ کہیں وہ بوجھ جو میں اس پر ڈالتی ہوں حد سے زیادہ تو نہیں ہو جاتا مگر یہ آسمانی کونسل اس بات پر انسان کو دائمی دوزخ میں ڈالتی ہے جس کا ماننا اس کے لئے ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ کیا یہی وہ عدل ہے کہ جس پر عیسائیوں کا خدا فخر کرتا ہے؟ پھر ایک اور بات ہم کو نہایت تعجب میں ڈالتی ہے کہ جبکہ زمانہ ایک ہے یعنی جب سے خدا ہے اس وقت سے بیٹا۔ اور ساتھ ہی قدرت اور طاقت بھی ایک ہی ہے اور پھر بیٹے کی ماں بھی کوئی نہیں تو ایک کو بیٹا اور ایک کو باپ کس طرح قرار دیا گیا ہے کیا بیٹے کا حق نہیں کہ وہ باپ ہونے کا دعویٰ کرے جبکہ وہ قادر مطلق ہے اور باپ کا ہم عمر بھی تو کیوں اس کی حق تلفی کر

کے اس کو بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیت کی بنیاد کفارہ پر رکھی گئی ہے اور یہی چبوترہ ہے جس پر کہ عیسائیت کا بت رکھا گیا ہے یا یہی وہ مسالہ ہے کہ جس پر عیسائیت کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور اس کفارہ سے یہ مراد ہے کہ جب بیٹے نے یعنی مسیح نے دیکھا کہ باپ تو بوجہ عدل کے کسی کا گناہ بخش نہیں سکتا اور اتنی مخلوق خواہ مخواہ جہنم میں جا رہی ہے تو اس نے اپنی قربانی کر کے مخلوقات الٰہی کو گناہ سے بچایا۔ یعنی وہ مسیح کی شکل میں اس دنیا میں ظہور پذیر ہوا اور پھر یہودیوں کے ہاتھ سے سولی دیا جا کر تمام گناہوں کو اپنے سر پر لے گیا اور اب وہ جو کہ اس کے کفارہ پر ایمان لائیں ان کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔ اور وہ ان وعدوں کے مستحق ہوں گے جو کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے ساتھ کئے ہیں مگر اس پر غور کرنے کے ساتھ ہی پہلا اعتراض جو اس پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ جب خدا ابھی قادر مطلق اور بیٹا بھی تو کیا وجہ کہ مسیح نے اپنی قدرت سے تمام لوگوں کو نجات نہ دیدی تو پھر ہم دیکھتے ہیں کہ (یعقوب باب ۲ آیت ۱۳) میں صاف طور سے لکھا ہے کہ ''رحم عدالت پر غالب ہوتا ہے'' تو کیوں خدا کو ضرورت پڑی کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرے اور خلقت کو گناہ سے بچائے جبکہ رحم عدالت پر غالب ہے تو کیوں اس نے رحم کر کے لوگوں کو نہیں چھڑا دیا اور کیوں اس نے ان کو جو کہ گنہگار تھے بخش نہ دیا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ یعقوب کا قول ہمارے لئے سند نہیں تو یہ ایک نہایت ذلیل عذر ہوگا۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو کیوں یعقوب کے خطوط کو بائبل میں جگہ دی گئی ہے اور اگر وہ اس قابل ہیں کہ ان کو ردی کے ٹوکرے میں پھینک دیا جائے تو کیوں اب بھی عیسائی اس سے سند لیتے ہیں۔ اگر وہ خطوط غلطی سے بائبل میں درج ہو گئے تھے تو اب ان کو نکالا جا سکتا ہے مگر اس صورت میں بھی ایک بہت بڑی مشکل پیش آوے گی اور وہ یہ کہ مسیح نے اپنے بارہ حواریوں کے لئے تخت کا وعدہ کیا تھا اور اگرچہ وہ پورا نہیں ہوا مگر پھر بھی عیسائیوں نے تخت سے مراد آسمانی تخت لے کر کسی قدر اپنا پیچھا چھڑایا تھا اور اب جبکہ یعقوب کے خطوں کو بھی خلاف ارشاد حضرت عیسیٰؑ تصور کیا جائے گا تو لازم ہوگا کہ یعقوب کو بھی ایک بدگو اور جھوٹا انسان سمجھا جائے اور اس صورت میں دو حواری روحانی تختوں سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ ایک تو یعقوب دوسرے یہودا اسکریوتی جس نے تیس روپے لے کر اپنے استاد یسوع کو دشمنوں کے حوالے کر دیا اور اس روحانی تخت سے محروم رہا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اور اب جبکہ دو حواری آسمانی تخت سے محروم کئے جائیں گے تو معلوم نہیں کہ عیسائیوں کو وہ کس قسم کے تخت ماننے پڑیں گے جس کا کہ یسوع نے اپنے حواریوں سے وعدہ کیا تھا۔ اب میں اصل مطلب کی طرف لوٹتا ہوں اور

عیسائیوں کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ذرا "رحم عدالت پر غالب ہوتا ہے" کے معنی تو بتائیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دانیال نبی کی کتاب باب ۹ آیت ۱۶ میں لکھا ہے۔ "اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو اپنی ساری راست بازی کے موافق اپنے قہر اور اپنے خشم سے جو تیرے ہی شہر یورو شلم پر ہے جو کوہ مقدس ہے دست بردار ہو۔ کیونکہ ہمارے گناہوں کے اور ہمارے باپ دادوں کی شرارتوں کے سبب سے یورو شلم اور تیرے لوگ ان ساری قوموں کے حضور میں جو آس پاس ہیں مورد ملامت ہوئے" اس جگہ دانیال نبی اپنے گناہوں اور اپنی قوم کے گناہوں کی معافی خدا تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔ پس اگر وہ گناہ معاف نہیں کر سکتا اور عادل ہے تو دانیال نبی کا یہ فعل عبث ہو جاتا ہے مگر اس کے برخلاف جبریل نے آکر ان کو سنایا ہے کہ تیری دعا سنی گئی اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تواریخ نمبر۲ باب ۳۰ آیت ۲۱ میں لکھا ہے کہ حزقیاہ نے بنی اسرائیل کیلئے دعا مانگی "اور خداوند نے اس کی سنی اور معاف کیا" (فارن بائبل سوسائٹی۔ مشن سٹیم پریس لودھیانہ مطبوعہ ۱۹۰۸ء) کیا عیسائی صاحبان اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ جب خدا کی عادت ہے کہ وہ گناہ معاف کر دیتا ہے تو کیوں اس کو لغو کام سوجھا کہ اپنے بیٹے کو مفت میں پھانسی دلوائی اور لوگوں کے گناہ معاف نہ کئے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی اس بات کے جواب میں بعض دفعہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یسوع سے پہلے جو لوگ بیٹے پر ایمان رکھتے تھے ان کے گناہ بھی بخشے گئے لیکن اس جگہ یہ بات بھی نہیں کیونکہ ایمان لانے والے کے گناہ تو پہلے ہی بخشے گئے خدا نے یہ کیا لغو بات کہی کہ میں نے حزقیاہ کی دعا سن کر گناہ معاف کئے جو کفارہ پر پہلے سے ہی ایمان لائے ہوئے تھے اور جن کا یقین اور اخلاص اول ہی سے کامل تھا ان کو گناہگار ٹھہرانا ایک بہت بڑی ناانصافی ہے اور یا تو اس جگہ خدا سے ہی غلطی ہو گئی ہے یا حزقیل نبی نے نعوذ باللہ افتراء سے کام لیا اور مخلوق الٰہی کو دھوکہ دینا چاہا ہے اور یہ دونوں ایسی صورتیں ہیں کہ ان میں سے ایک کو مان کر بھی عیسائیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

مگر نہیں جس مذہب کا خدا گناہ سے پاک نہیں اس میں ایک نبی پر تہمت کا لگنا اور گناہگار ثابت ہونا کوئی بڑی بات نہیں پھر ہم دیکھتے ہیں اب تک جو ہم نے ثابت کیا ہے یہ ہے کہ عیسائیوں کا خدا اول تو اس قابل ہی نہیں کہ وہ سمجھ میں آسکے اور پھر اس کی باتیں اور کلام کچھ ایسی متناقض واقع ہوئی ہیں کہ ایک عقلمند سے عقلمند انسان ان کے سمجھنے سے قاصر ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ گناہ معاف کرتا ہے اور دوسری طرف وہ کہتا ہے کہ میں عادل ہوں اور گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ یہ بات تعجب اور حیرت سے دیکھنے کے قابل ہے کہ خدائے قادر کو کیا ضرورت پڑی کہ اس نے ایسا دورخا

کلام کیا۔ کیا وہ اپنے بندوں سے ڈرتا ہے یا کوئی اور بھید ہے جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ مگر پہلی بات زیادہ زبردست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس نے یہودیوں کی مار کھا کر ایک تجربہ حاصل کر لیا تھا اور خیال کیا تھا کہ اگر میں کفارہ کا باطل مسئلہ ان کے سامنے پیش نہ کروں گا تو معلوم نہیں مجھ سے کیا سلوک کریں گے۔ اب ہم اتنا تو ثابت کر چکے ہیں کہ کفارہ کا مسئلہ انسانی عقل سے بعید ہے اور یہ کہ عیسائیوں کا خدا دورخا کلام کرتا ہے پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم ایسے خدا سے محبت کریں اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی اپنے دل میں اس کا تصور جمائے رکھیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں تو عیسائیوں کا خدا جو وعدہ کرتا ہے اس کو پورا بھی نہیں کرتا۔ اس نے کہا ہے کہ گناہ کی سزا جسم پر پڑتی ہے اور روح پر بھی۔ اور یہی اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے جیسا کہ پیدائش باب ۳ آیت ۱۶ میں ہے کہ "میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی" اسی طرح آیت ۱۸، ۱۹ میں ہے "وہ (زمین) تیرے لئے کانٹے اور اونٹ کٹارے اگاوے گی اور تو کھیت کی نبات کھائے گا۔ تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھائے گا" اور یہ وہ سزا ہے جو کہ آدم علیہ السلام و حوا کو بسبب ایک گناہ کے خدا تعالیٰ نے دی ہے مگر جبکہ کوئی مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے تو چاہیئے کہ وہ اس تکلیف سے بچ جائے۔ کیونکہ مسیح کے کفارہ پر ایمان لانے سے اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کئے گئے اور اب اس کا حق ہے کہ اگر وہ عورت ہے تو دردزہ سے بچہ نہ جنے اور اگر مرد ہے تو اس کو محنت مزدوری نہ کرنی پڑے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ میں ہر سال بیسیوں عورتیں بچہ جننے کی تکلیف سے ہلاک ہو جاتی ہیں۔ کیا خدا کو اپنا وعدہ بھول گیا؟ یا وہ آرام میں ہے اور قصوں کے دیووں کی طرح جو کہ ایک دراز زمانہ تک ایک ہی کروٹ پر سوتے رہتے ہیں وہ بھی سو رہا ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو اسے خبردار کرنا چاہیئے اور تمام عیسائیوں کا فرض ہے کہ وہ مل کر اس کی خدمت میں ایک ڈیپوٹیشن پیش کریں تاکہ اس روزمرہ کی تکلیف سے بچ جائیں۔ اور ایسا ہو کہ پھر عورتیں بلا درد کے بچہ جنیں اور مرد بلا محنت کے روزی حاصل کریں تب بیشک عیسائیوں کا فرض ہو گا کہ وہ دنیا کے سامنے اس مذہب کو پیش کریں۔ اور گو کہ تثلیث لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے مگر ان کا یہ کہنے کا حق ہو جائے گا کہ وہ جو ہم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وعدہ کرنے والا بھی موجود ہے۔ مگر جبکہ ان کا خدا وعدہ کر کے بھول جاتا ہے تو ہم اس سے نجات کی کس طرح امید رکھ سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے عیسائیوں سے تین وعدے کئے ہیں مگر اب تک ان میں سے ایک بھی پورا نہیں کیا اس نے بارہ حواریوں سے بارہ تخت کا وعدہ کیا۔ یہاں تک کہ لوقا باب ۲۲ آیت

۳۶ میں ہے کہ "اب جس کے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے" اس کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ اس تخت کے وعدہ کو اور بھی مضبوط کیا جائے مگر افسوس ہے تخت تو کیا ملنے تھے ان میں سے ایک حواری تو برگشتہ ہو گیا جس نے کہ تیس کھوٹے درہم لے کر اپنے استاد کا سراغ بتایا اور ایک نے تین دفعہ یسوع پر لعنت کی- پس ایک تو یہ وعدہ تھا جو آج تک پورا نہ ہؤا- اور دوسرا وہ ہے جو قیامت تک بھی نہ ہو گا یعنی مسیح نے حواریوں سے وعدہ کیا تھا (لوقا باب ۲۱ آیت ۲۷) لوگ ابن آدم کو بدلی میں قدرت اور بڑے جلال کے ساتھ آتے دیکھیں گے" پھر آیت ۳۲، ۳۳ میں ہے کہ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب نہ ہو لیوے یہ پشت کبھی نہ گزرے گی آسمان و زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں کبھی نہ ٹلیں گی" مگر وہ پشت تو الگ رہی اس زمانہ سے آج تک یہودیوں کی بیسیوں پشتیں گذر گئیں مگر اب تک یسوع آسمان سے قدرت اور بڑے جلال کے ساتھ نہیں اترا- پھر تیسری وعدہ خلافی وہ ہے جو کہ ہم اوپر گناہوں کی معافی کی نسبت بیان کر چکے ہیں- اب دیکھنا چاہیئے کہ جب یہ تینوں وعدے جو مسیح یا خدا نے اپنے بندوں سے کئے تھے وہ آج تک پورے نہیں ہوئے تو اس سے اور کیا امید ہو سکتی ہے- اب ہم آخری بات جو ناظرین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں وہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح لعنتی تھا- اور یہ بات بالکل ہی لغو اور بیہودہ ہے کیونکہ لعنت تعلق رکھتی ہے دل سے اور کسی کا لعنتی ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کا دل خدا سے پھر گیا- مگر یہاں تو خود مسیح ہی خدا تھا اس کا دل پھرا تو کس سے پھرا اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس وقت انسانی قالب میں تھا تو اور الزام آئے گا اور اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ اس کا دل خدا سے جو باپ تھا پھر گیا اور یہ بات ناممکن ہے کیونکہ وہ اسی کی طرف تو لوگوں کو بلانے آیا تھا پس ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا خدا وہ خدا نہیں جس سے ہم کسی بہتری کی امید کر سکیں یا ہمارا دل جس کی طرف محبت کرنے کے لئے جھک جائے اور یہ کفارہ کی آڑ بھی سوائے دھوکے کی ٹٹی کے اور کچھ نہیں اور یہ ایک لغو بات ہے کہ مرے کوئی اور گناہ کسی کے بخشے جائیں ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی دنیا میں ایسا نہیں ہؤا کہ ایک شخص کے سر درد ہو اور دوسرا اپنے سر میں پتھر مار لے اور وہ جو کہ سر درد میں مبتلا تھا بیماری سے شفایاب ہو پھر ہم کس طرح یقین کر سکتے ہیں کہ مسیح نے دنیا پر رحم کھا کر اپنے آپ کو قربان کر دیا اور دوسروں کے گناہوں کو اپنے سر پر لے لیا-

اور وہ جو کہ قادر مطلق تھا اور خدا کا اکلوتا بیٹا تھا ایک دن اس پر ایسا بھی آیا کہ وہ اپنے باپ سے

تعلق توڑ بیٹھا اور اس قادر مطلق کا انکار کر دیا جس کی طاقت اور جلال کا وہ سب سے زیادہ واقف تھا۔ کیونکہ لعنت کا یہی مفہوم ہے اور اگر توریت ہم کو ایسی نظیر بتاتی تو کچھ بات بھی تھی مگر بجائے اس کے کہ توریت کفارہ کی کوئی نظیر بتائے وہ الٹی اس کی منکر ہے۔ کیونکہ پیدائش باب ۴۴ آیت ۱۶، ۱۷ میں لکھا ہے کہ "یہودا بولا کہ ہم اپنے خداوند سے کیا کہیں اور کیا بولیں اور کیونکر اپنے تئیں پاک ٹھہرا دیں کہ خدا نے تیرے چاکر کی بدکاری ظاہر کی دیکھ کہ ہم اور وہ بھی جس پاس سے پیالا نکلا اپنے خداوند کے غلام ہیں وہ بولا خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں۔ یہ شخص جس پاس سے پیالا نکلا وہی میرا غلام ہو گا۔ اور تم اپنے باپ کے پاس سلامت جاؤ"۔ اس جگہ حضرت یوسفؑ اپنے بھائی کو ایک پیالہ کی چوری کا ملزم بھی ٹھہراتے ہیں۔ (یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کہیں درحقیقت حضرت یوسفؑ کے بھائی نے چوری کی بلکہ پیالہ حضرت یوسفؑ کے غلاموں سے غلہ کی بوری میں رکھا گیا تھا) اور ان کے دوسرے بھائی اپنے آپ کو ان کے پاس ایک قیدی یا غلام کے طور پر پیش کرتے ہیں مگر وہ جواب دیتے ہیں کہ خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں اور اگر کفارہ جائز ہوتا تو حضرت یوسفؑ کے بھائی جواب دیتے کہ جب خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا کی خاطر قربان کر دیا اور اس بیٹے کی قربانی کو قبول کیا تو کیا وجہ کہ ہماری قربانی اپنے بھائی کے بدلے رد کی جائے اور خود حضرت یوسفؑ جو کہ نبی تھے یہ فقرہ زبان پر نہ لاتے۔ کیونکہ خدا نہ کرے کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ایک کے بدلے دوسرے کو پکڑنا شریعت کے لحاظ سے ناجائز تھا اس لئے حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں کہ خدا نہ کرے کہ مجھ سے ایسا برا فعل سرزد ہو۔ اس جگہ کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی اپنے بھائی کے بدلے میں اپنے آپ کو غلام نہیں قرار دیتے بلکہ وہ اپنے آپ کو اس کے ساتھ پکڑواتے ہیں۔ مگر حضرت یوسفؑ کے جواب پر غور کرنے سے یہ بات اس پر کھل جائے گی کہ ان کا اصل مطلب یہی تھا کہ ان میں سے ایک رکھا جائے اور چھوٹا بھائی چھوڑ دیا جائے اور پھر اس گفتگو میں آگے چل کر یہودا کا آیت ۳۳ میں یہ کہنا کہ "اب مجھے اجازت دیجئے کہ تیرا چاکر جوان کے بدلے اپنے خداوند کی غلامی میں رہے اور جوان کو اس کے بھائیوں کے ساتھ جانے دے" صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے بدلہ میں قید کروانا چاہتا تھا۔ مگر حضرت یوسفؑ نے صاف جواب دیا اور اس کو ایک گناہ قرار دیا۔

پس جبکہ کفارہ شریعت میں ناجائز تھا اور نبی اس کو ایک گناہ ٹھہراتے تھے تو کیونکر یہ مانا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں وہ ان کے کفارہ پر ایمان رکھتے تھے۔ یا کفارہ پر بھی ہم کس

طرح یقین کریں جبکہ شریعت موسوی اس کو ناجائز ٹھہراتی ہے۔ جس شریعت پر چلنے کا فخر خود حضرت عیسیٰؑ کو تھا پھران دلائل کے علاوہ ایک بات ایسی زبردست ہے کہ جس کو خیال میں لاکر ہم ایک دم کیلئے بھی حضرت عیسیٰؑ کو خدائی کا منصب نہیں دے سکتے یا دوسرے الفاظ میں ہم قطعاً یہ وہم بھی نہیں کر سکتے کہ عیسائی مذہب سچا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر سری نگر کے خانیار محلّہ میں معلوم کی گئی ہے اور انجیل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مرے نہیں بلکہ اس پر سے زندہ اتار لئے گئے تھے۔ اور تاریخی شہادتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچائی گئی ہے کہ وہ سری نگر میں آئے اور وہاں آکر فوت ہوئے جس کی گواہی خود سری نگر کے باشندے بھی دیتے ہیں اب ہم نے مختصر سے دلائل اس بات کے دے دیئے ہیں کہ آیا عیسائی مذہب سچا ہے یا نہیں۔ یا کہ اس کا خدا اس قابل ہے کہ ہم اس سے محبت کریں یا نہیں۔ اور ان دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے انسانی تصرفات اس مذہب میں جگہ رکھتے ہیں اور یہ اس قابل نہیں رہا کہ خدا کی تلاش کرنے والا آدمی اس سے کچھ فائدہ اٹھائے۔ اس لئے اب ہم یہودیوں میں خدا کی تلاش کرتے ہیں کہ شاید ہم کو وہ خدا ملے جس سے کہ ہم محبت کریں اور وہ ہماری محبت کا بدلہ دے اور اس قابل ہو کہ ہم اس سے تسلی پائیں جو کہ آفات اور مشکلات کے وقت اپنے بندوں کی دستگیری کرے۔ مگر افسوس کہ اس مذہب کی طرف ایک ہی قدم اٹھا کر ایک مایوسی سی ہو جاتی ہے اور طالب حق جو کہ حق اور اصلیت کی تلاش میں دن رات سرگردان و پریشان رہتا ہو اور جس کو فکر اور غم اس لئے گھیرے رہتے ہوں کہ کسی طرح اس کو وہ خدا ملے کہ جس کی محبت سے اس کا دل پاک ہو جائے اور یہ ایک سکھ اور چین کی زندگی پاوے گھبرا اٹھتا ہے اور حیران ہوتا ہے کہ یہ کیسا مذہب ہے کہ جس کے پیرو خدا کے تعلق اور اس کے راستہ کی ہدایت کو اپنے لئے ہی مخصوص سمجھتے ہیں۔ ناظرین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ سوائے ہمارے نجات کسی کو نہیں مل سکتی اور یہ کہ اور کوئی شخص اگر ہم میں داخل ہونا چاہے تو اس کے لئے یہ دروازہ قطعاً بند ہے اور ایسا ممکن نہیں کہ کوئی شخص توریت اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لا کر یہودیوں کے زمرہ میں داخل ہو جائے۔ اگر کوئی شخص یہودیوں میں داخل نہیں ہو سکتا تھا تو چاہیئے تھا کہ کوئی اور طریقہ بھی نکالا جاتا کہ جس سے دنیا دائمی عذاب اور ہمیشہ کیلئے لعنت سے بچ جاتی۔ مگر نہیں۔ شاید خدا تعالیٰ کا یہودیوں سے رشتہ ہے کہ نجات سوائے ان کے اور کسی کو مل ہی نہیں سکتی۔ اس نجات کا فائدہ ہی کیا ہوا کہ سوائے ایک فرقہ کے اور کسی کو نہ ملے باقی تمام فرقے اور تمام قومیں باوجود اقرار کرنے کے کہ یہودی مذہب سچا اور خدا کی

طرف سے ہے اس بات سے محروم رہیں کہ وہ خدا کی محبت کی لذت اٹھائیں۔ پھر جبکہ یہودیوں پر ہی نجات کا ملنا نہ ملنا منحصر ہے تو جزاء و سزا اور حشر و نشر وغیرہ بالکل بیہودہ اور لغو ہو جاتے ہیں اور اسی لئے یہودیوں کے بعض فرقے بالکل انکار کر بیٹھے ہیں کہ کبھی جزاء و سزا کا کوئی دن آوے گا۔

اور انہوں نے یہی نہیں کیا کہ جزاء و سزا کا ہی انکار کریں بلکہ ان کے خیال میں مذہب کوئی چیز نہیں صرف کچھ قوانین ہیں تا کہ بنی نوع انسان میں انتظام قائم رہے۔ پس ایسے لوگوں کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جنہوں نے مذہب کو ایک معمولی قوانین کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں کبھی کوئی سلطنت اس دو ہزار سال کے عرصہ میں رہ ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ اس عرصہ کے درمیان کوئی یہودی سلطنت ہوئی ہی نہیں پھر یہ انتظام جو ہے تو کیونکر قائم رہا اور اگر یہ کہیں کہ عیسائی بھی توریت پر ایمان رکھتے ہیں ان کی سلطنت یہودیوں کی سلطنت ہی ہے تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ ان کو تو بزعم خود کسی شریعت کی ضرورت ہی نہیں اور ان کو اجازت ہے کہ سوائے چند باتوں کے جو کہ حواریوں کی کونسل نے قرار دی ہیں اور سب کام کریں اور جس طرح دل چاہے عمل کریں ان کے گناہوں کا بوجھ تو بیچارے مسیح کی گردن پر رکھا گیا ہے۔ اور یہ بالکل آزاد ہیں پھر عیسائیوں کی سلطنت کو اپنے اصول کے مطابق سمجھنا خلاف واقعہ ہو گا۔ اور اس کے علاوہ عیسائی سلطنتیں کہیں قصور معاف کرتی ہیں تو کہیں سزا دیتی ہیں حالانکہ توریت میں ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ لو تا کہ دنیا عبرت حاصل کرے۔ پس عیسائی سلطنتوں کو اپنے میں شامل کرنا تو کسی طرح بجا ہی نہیں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں بغیر تعلیم موسوی کے بھی انتظام چل سکتا ہے۔ اور دوسری قومیں بھی اس قابل ہیں کہ وہ بغیر توریت کی مدد کے دنیا کا انتظام چلا دیں پس ہم اب ان فرقوں پر نظر ڈالتے ہیں جو کہ جزاء و سزا کے قائل ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کے روبرو لوگ اپنے اعمال کا حساب دیں گے اور وہ کام جو کہ انہوں نے دنیا میں کئے ہوں گے ان کا بدلہ ان کو ملے گا مگر یہاں پھر یہ اعتراض آتا ہے کہ جب یہودیوں کیلئے نجات لازم ہے اور دوسروں کے لئے حرام تو جزاء و سزا کے دن کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ جزاء و سزا اس لئے ہے کہ وہاں بھلے اور برے میں فرق کر کے دکھایا جائے اور ظاہر کیا جائے کہ فلاں نے بہت عمدہ کام کیا اور فلاں نے بہت برا اور اس لئے اس کو جو کہ نیک اور شریف تھا خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ یہ انعام دیئے جاتے ہیں اور وہ جو کہ بد تھا اور برائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا تھا یہ سزا دی جاتی ہے۔ مگر یہاں تو یہ بات ہی نہیں کیونکہ یہودیوں کیلئے نجات لازم ہوئی

اور دوسروں کے لئے حرام پھر کیا ضرورت تھی کہ حشر و نشر کا دن مقرر کیا جاتا اور پھر خدا تعالیٰ کا نعوذ باللہ یہ سخت ظلم ہے کہ اس نے ایک شخص کو یہودیوں میں پیدا کیا اور دوسرے کو نہیں اور باوجود اس کے کہ وہ یہودی نیک اعمال بھی نہیں کرتا اور یہ دوسرا آدمی چاہتا ہے کہ میں یہودی فرقے میں داخل ہو کر نجات پاؤں۔ مگر وہ جو یہودی ہے مفت میں نجات حاصل کرتا ہے اور وہ جو کہ کسی اور گروہ سے ہے بلا گناہ کے مارا جاتا ہے اگر خدا تمام دنیا کو یہودی پیدا کرتا تو بھی کچھ بات تھی کہ اس نے تمام انسانوں کو یہودی پیدا کیا تھا مگر ایک نے اپنی بد اعمالی کی وجہ سے سزا پائی اور دوسرے نے نجات مگر یہاں تو گویا کہ دھکے دے کر بنی نوع انسان کو نجات اور محبت الٰہی سے خارج کیا گیا ہے۔ قیامت کے دن اگر ایک انسان کہے کہ میں تو یہودی مذہب قبول کرنے کے لئے تیار تھا مگر اے خدا تو نے اور تیرے جانشینوں اور حاکموں نے مجھ کو ایسا کرنے سے باز رکھا تو اس وقت خدا تعالیٰ کیا جواب دے سکتا ہے سوائے اس کے کہ میری مرضی میں جس کو چاہوں دوزخ میں ڈالوں اور جس کو چاہوں بہشت عطا کروں مگر یہ وہ جواب نہیں ہو سکتا کہ جس سے ایک طالب حق کی تسلی ہو سکے۔ اور اس صورت میں یہودیوں کے مذہب اور اس کے خدا کی مثال اس کنویں کی سی ہوگی جس پر ایک شخص کھڑا ڈول نکال رہا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جو پیاسا ہے اس طرف آئے تا کہ میں اس کو شیریں اور ٹھنڈے پانی سے سیر کروں اور اس گرمی کی شدت اور سختی سے بچاؤں جو کہ سورج کی گرم اور جھلس دینے والی دھوپ سے پہنچ رہی ہے مگر جب ایک پیاسا جو کہ کئی کوس کا سفر کرتا ہوا اور ریتلے میدان اور دھوپ کی گرمی سے تکلیف اٹھاتا ہؤا آیا اور اس نے اس کنویں پر کھڑے ہوئے شخص کی آواز کو سن کر اور اس کے کلمات سے تسلی پا کر اس سے کچھ پانی مانگا تو اس نے اس آفت زدہ مسافر کو جھڑک دیا کہ جا اپنا راستہ لے کیونکہ یہ پانی تیرے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جو کہ سامنے اس بڑے گھنے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے ہیں اور جو کہ شیریں اور سرد چشمہ کا پانی اچھال رہے ہیں اور بے فکری اور خوشی ان کے چہرہ سے عیاں ہے۔ پس کیا کوئی شخص اس شخص کو عقلمند کہے گا جس نے کہ ایک پیاسے آدمی کو تھوڑا سا پانی دینے میں دریغ کیا تا کہ وہ پیاس کی شدت کو رفع کرے اور ان لوگوں کو ایک ڈول دینا چاہتا ہے جو کہ خود ایک چشمہ میں پاؤں ڈالے ہوئے بیٹھے ہیں اور درخت کا سایہ ان کو دھوپ کی شدت سے بچا رہا ہے پس دیکھو کہ وہ کنواں تو وہ تعلیم ہے جو کہ یہودیوں کا خدا دیتا ہے اور وہ شخص جو پانی نکال رہا ہے وہ خود خدا ہے جو کہ نجات کیلئے لوگوں کو پکار رہا ہے اور وہ لوگ جو سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے ہیں اور چشمہ میں

پاؤں ڈالے بیٹھے ہیں یہودی ہیں۔ جو کہ یہودی ہونے اور بنی اسرائیل میں پیدا ہونے کی وجہ سے خوش ہیں۔ اور عذاب آخرت سے بے فکر ہیں اور وہ جو کہ دور سے پانی مانگنے آتا ہے اور جس کو پیاس کی شدت سے سخت تکلیف ہے ان لوگوں میں سے ہے جو کہ دوسرے مذہبوں، قوموں اور فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جو کہ (خدانخواستہ) یہودیوں کی تعلیم ہی سچی سمجھ کر اور پیاس کو بجھا دینے والی سمجھ کر آیا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھ کو بھی وہی تعلیم تلقین کی جائے مگر آگے سے صاف جواب ملتا ہے کہ نہیں یہ تو انہی لوگوں کیلئے ہے جن کو پہلے سے ہی یہودیت کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ پس اس صورت میں کیسا باطل ہو جاتا ہے یہ دعویٰ کہ نجات حاصل کرنے کا یہی راستہ ہے اور یہی وہ پیالہ ہے جس کے پینے سے محبت کی آگ تسکین پکڑتی ہے۔ کیونکہ جب ایک گمراہ اور ایک پیاسا ہدایت پانا اور پیاس کی شدت سے بچنا چاہے تو صاف جواب دیا جاتا ہے کہ پہلے یہودیت کا یعنی بنی اسرائیل ہونے کا سرٹیفکیٹ دکھاؤ اور پھر نجات ملے گی اس تعلیم کا فائدہ ہی کیا ہے جو کہ عالموں کو دی جائے اور کس کام کی ہے وہ نجات جو کہ نجات یافتوں کو ملے۔ پس یہ عقیدہ عیسائیوں کے کفارہ کی طرح اس قابل نہیں کہ جس کو کوئی عقلمند باور کر سکے یا کوئی حق کا طالب جس سے تسلی پا سکے بلکہ فوراً خیال اس طرف جاتا ہے کہ ضرور اس تعلیم میں کوئی ایسا نقص ہے کہ جس کو چھپانے کیلئے نجات کا دروازہ صرف یہودیوں پر ہی کھولا گیا ہے اور مخالفوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی کمزوریاں دوسروں پر کھل جائیں۔ اب ہم یہودیوں کی تعلیم پر کچھ روشنی ڈالنی چاہتے ہیں مگر اس سے پیشتر اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق بھی اگرچہ یہودی صاف طور سے نہ کہیں مگر ان کے عقائد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی حد تک یہ خدا تعالیٰ کے جسم کے قائل ہیں جیسا کہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کر کے ساتویں دن آرام کیا اور آرام کرنے کے لئے جسم کی ضرورت ہے کیونکہ تھکاوٹ کے بعد ہی آرام ہوتا ہے اور تکلیف کے بعد ہی راحت کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم اس کو مان لیتے اگر اس کے یہ معنی لئے جاتے کہ یہ ایک استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ مگر قرآن شریف نے ان کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ خدا نے زمین و آسمان کو بنایا اور تھکا نہیں جس سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت یہود کا مذہب یہی تھا کہ خدا در حقیقت تھک گیا اور اس کو آرام کی حاجت ہوئی اور یہود نے اس کا انکار نہیں کیا کہ ہم تو کسی تھکاوٹ کے قائل ہی نہیں اور یہ ہم پر تہمت لگائی گئی ہے۔ بلکہ وہ خاموش رہے اور اس سے ثابت کیا ہے کہ ہم اس عقیدہ کو در حقیقت سچا سمجھتے ہیں پس ایسا خدا جو

خود تھک جاتا ہے ہماری محبت کا کیا بدلہ دے سکتا ہے- ممکن ہے کہ وہ دنیا کے انتظام سے ہی تھک جائے اور دوزخ بہشت سب کو فنا کردے اور اس طرح وہ جو کہ گناہگار ہیں فائدے میں رہیں کہ اس دنیا میں بھی عیش کرتے رہے اور آگے بھی کوئی پرسش نہ ہوئی اور وہ نیک اور صالح آدمی جو کہ تمام عمر خدا تعالیٰ کی محبت کیلئے بڑے بڑے مجاہدات کرتے رہے بے بدلہ کے چھوڑ دیئے جائیں اور ان کی تمام محنتیں برباد ہو جائیں- غرض کہ یہ مسئلہ انسانی سمجھ سے بالا ہے اور اس لئے ہم اس پر بے فائدہ خامہ فرسائی نہیں کرنا چاہتے- اور چاہتے ہیں کہ اب ہم یہودیوں کی تعلیم کو دیکھیں کہ وہ کیسی ہے شاید وہی کچھ ایسی تسلی بخش نکل آئے کہ باقی سب دھبے مٹ جائیں- مگر افسوس کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا بھی نہیں ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت کے برخلاف ہے کیونکہ حکم ہے کہ جو کوئی تمہارا دانت توڑ دے تو تم اس کا دانت توڑ دو اگر کوئی تمہاری آنکھ پھوڑ دے تو تم اس کی آنکھ پھوڑ دو اور اسی طرح یہ کہ اگر کوئی تمہارا آدمی مار دے تو تم اس کو مار دو یا دیت لو اور تمام امور میں عفو کا کہیں نام بھی نہیں حالانکہ انسانی فطرت میں ہے کہ بعض دفعہ ایک انسان ایک گناہ کو معاف کر دیتا ہے تو دوسرے وقت میں کسی مصلحت کے لئے کسی گناہ کی سزا بھی دیتا ہے- اور اگر یہودیوں کی تعلیم پر عمل کیا جائے تو ایک دن میں ہی دنیا کا کام تمام ہو جائے یعنی ملک میں طرح طرح کے فساد اور بیسیوں بغاوتیں پھوٹ پڑیں اور کوئی گورنمنٹ یا حکومت نہ ہو کہ جس کی رعایا اس قاعدے سے تنگ آکر مقابلہ پر کمر نہ باندھے- اصل میں یہ بات ہے کہ یہ قوانین دقتی تھے اور ایک قوم کیلئے محدود تھے- اس لئے ان کو تمام دنیا پر حاوی کرنا سخت نادانی ہے اور پھر اگر یہودی بننے کا دروازہ کھلا ہو- تو اس بات پر بحث کی جائے اور اچھی طرح ثابت کیا جائے کہ وہ کوئی اور ہی زمانہ تھا کہ جب یہ تعلیم پھیلائی جاتی اور قابل عمل سمجھی جاتی تھی لیکن اب دنیا کے حالات بدل گئے ہیں اور دنیا میں علم اور سائنس کے بڑھ جانے' ریلوں کے جاری ہونے اور تار کے پھیلنے سے لوگوں کا دستور العمل اور طریقہ معاشرت بھی بدل گیا ہے- پس اس زمانہ میں یہ تعلیم ایک بوسیدہ عصا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی کہ جس کو زور سے زمین پر مارنے سے کھل جاتا ہے کہ اس کے اندر سوائے کچھ کرم خوردہ بُورے کے اور کچھ نہیں ہے- پھر مکالمہ مخاطبہ الہام یا وحی جو کچھ بھی اس کو کہیں یہ ایک فرقہ کی کامل سچائی کی دلیل ہوتا ہے- کیونکہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ایک فرقہ کے بہت سے افراد الہام الٰہی سے مستفیض ہوتے رہے ہیں اور ان کے ساتھ نصرت الٰہی بھی شامل ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس سلسلہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کا سچا تعلق ہے جو اوروں کے ساتھ نہیں اور

ضروری اور یقینی ہو گا کہ وہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو کیونکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور اس کا کلام کبھی جھوٹے اور مفتری انسان یا گروہ کے شامل حال نہیں ہوتا اور اس بات کی بحث ہم اگلے حصے میں کریں گے کہ آیا الہام ضروری ہے یا نہیں اور اس وقت صرف مجملاً بیان کرتے ہیں کہ الہام ایک بڑی شہادت ہے کسی مذہب کے سچا ہونے یا نہ ہونے پر مگر یہودی اور عیسائی اس سے محروم ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دینی جسم اب الہام یا دوسرے الفاظ میں سچائی کی روح سے خالی ہے اور اس قابل نہیں کہ ہماری تسلی کر سکے کیونکہ جب ہم محبت کریں گے تو فطرتاً ہمارے دل میں محبوب سے کلام کرنے کا شوق بھی پیدا ہو گا۔ اور اگر وہاں سے کوئی جواب ہی نہ ملے تو کیا کیا بد ظنیاں ہمارے دل میں پیدا ہوں گی۔ پس ہماری تسلی کے لئے یہ موجودہ یہودی مذہب تو کافی نہیں ہو سکتا۔

اب ہم ہندو مذہب پر نظر ڈالتے ہیں یا یہ کہو کہ ہم سناتن دھرم کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ مگر ہم اول یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مذہب کے پیروؤں کے نزدیک یہ مذہب اس وقت سے چلا آتا ہے جبکہ یہ موجودہ دنیا پیدا ہوئی اور ان کے خیال کے بموجب پر میشور نے اپنا کلام چار رشیوں پر اتارا اور ان کو الہام سے مستفیض کیا مگر اس کے بعد الہام کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا اور اب خواہ کوئی کتنا سر پٹکے لیکن ممکن ہی نہیں کہ وہ دروازہ کھولا جائے۔ پھر ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بتوں کی پرستش کے سوا پر میشور کا ملنا محال ہے اور پھر یہ کہ تناسخ ہمیشہ انسان کے ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے اور ایک انسان کبھی گائے کی شکل میں اور کبھی کتے کی شکل میں اس دنیا میں بار بار آتا ہے۔ اب ہم جدا جدا مسائل پر نظر ڈالتے ہیں اول یہ کہ سب سے قدیم وید ہے اس کی تعلیم مکمل ہے اور پھر الہام کی ضرورت نہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وید کا قدیم ماننا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ سب سے پرانے وید کی عمر جو ہے تو وہ تین سوا تین ہزار سے زیادہ نہیں کیونکہ وید کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت کا لکھا ہؤا ہے جبکہ آریہ ہندوؤں کو ہندوستان کے اصلی باشندوں سے مقابلہ اور جنگیں پیش آئی ہیں کیونکہ اس میں دعائیں ہیں کہ یا الٰہی ہم کو فتح دے اور ہمارے دشمنوں کو ذلیل کر اور ہماری گائیں زیادہ دودھ دیں پس یہ کوئی بڑا عرصہ نہیں ہے بلکہ اگر چار ہزار سال بھی مان لیں تب بھی حضرت نوحؑ کے بعد کا زمانہ ہی ہے اور اس طرح ہندوؤں کا یہ دعویٰ کہ ہم اور ہماری کتابیں قدیم سے چلے آتے ہیں بالکل غلط ٹھہرتا ہے۔ ہم مثال کے طور پر یہاں چند منتر نقل کرتے ہیں جن سے ظاہر ہو جائے گا کہ در حقیقت وید میں کیا ہے اور کس زمانہ کا ہے۔ رگ وید 'انوواک سوکت میں اس طرح

لکھا ہے کہ "ہم تیری جو ہمارا دوست ہے اور جس کو سب فوقیت دیتے ہیں اور سب بلاتے ہیں منت کرتے ہیں تاکہ تو اے گھروں کی حفاظت کرنے والے اپنے پوجاریوں پر مہربان ہو" پھر آگے چل کر اسی میں ہے کہ "پس اے اندر جو ہماری بہتری میں راضی ہوتا ہے ایسا کر کہ ہمیں خوراک بافراط ملے اور مضبوط اور بہت دودھ دینے والی گائیں ہمارے ہاتھ آویں جن کے باعث سے ہمیں خوشی نصیب ہو"

پھر انوواک بارہ سوکت نو میں ہے "ایسا ہو کہ اگنی تیرے دولت مند پجاری بہت خوراک حاصل کریں ایسا ہو کہ وہ بدباداں جو تیری مہما کرتے ہیں اور تجھے جماتے ہیں ان کی عمر دراز ہو ایسا ہو کہ ہم لڑائیوں میں اپنے دشمنوں سے لوٹ حاصل کریں اور دیوتا کا بھاگ انہیں نذر کریں"

ان تین منتروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کس زمانہ کا لکھا ہؤا ہے۔ گائیوں کی زیادتی کی دعا گھروں کی حفاظت کی دعا' عمروں کی ترقی کی دعا' اور دشمن پر فتح پانے کی دعا صاف ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت کا لکھا ہؤا ہے جبکہ آریہ ہندو وسط ایشیا کو چھوڑ کر ہندوستان میں آئے تھے اور یہاں کے اصل باشندوں سے ان کی جنگیں رہتی تھیں جو باشندے کہ اب تک بھی کہیں کہیں ہندوستان میں موجود ہیں۔ اور پھر منو کے دھرم شاستر میں جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں کہ اس طرح ہمیں رہنا چاہیئے اور ہمارے فلاں فلاں قوم سے یہ یہ حقوق ہونے چاہئیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت تک ہندوؤں میں سوشل قانون نہ تھے جن کے بغیر کوئی فاتح طاقت یا حاکم قوم کبھی رہ ہی نہیں سکتی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریہ ہندوؤں کا زمانہ یا وید کا زمانہ منو کے قریب قریب کا زمانہ ہی ہے پس اس طرح بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وید سب سے پہلے یا ازلی کتاب نہیں ہے بلکہ کئی کتابوں کے بعد کی ہے اور ایک محدود زمانہ رکھتی ہے پس مدعی کا یہ دعویٰ کہ یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اس کے بعد الہام کی کوئی حاجت نہیں بالکل غلط ٹھہرتا ہے۔ پہلی کتاب تو اس لئے نہیں کہ اس زمانے سے پہلے جبکہ وید کا دنیا میں نزول ہؤا یا یہ کہو کہ وید لکھا گیا ہے کئی اور قومیں اور نسلیں بڑی بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کر چکی ہیں۔ اور یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مذہب کی پابند ہوں کیونکہ ان کے لئے بھی پرمیشر نے کوئی طریقہ تو ہدایت اور رہنمائی کا رکھا ہی ہوگا اور اگر ان کی رہنمائی کے لئے کوئی کتاب یا صحیفہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہؤا تھا تو اس طرح خدا سخت ظالم ثابت ہوتا ہے کہ جس نے باوجود اس کے کہ ایک گروہ کو پیدا کیا' زبان دی' طاقت دی اور دنیا پر اختیار دیا مگر وہ راستہ جو اس کی طرف رہنمائی کرتا تھا ان کو نہ بتایا۔ اس دنیاوی زندگی کے لئے جو

کہ چند روزہ ہے ہر طرح کے آسائش کے سامان ان کے لئے مہیا کئے گئے مگر اس دائمی زندگی کے لئے اور اس دائمی عیش کیلئے جو کہ مرنے کے بعد انسان کو مل سکتا ہے کوئی طریقہ یا قاعدہ مقرر نہ کیا گیا اور انسان کو وحشی جانور کی طرح زمین پر چھوڑ دیا کہ زمین میں پھرے اور سوائے کھانے پینے کے اور کسی کام سے سروکار نہ رکھے۔ مگر چونکہ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ پرمیشور ظالم نہیں اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ ان لوگوں کے لئے بھی ہدایت کی کوئی راہ مقرر کی گئی تھی پس ہم یہی ثابت کرنا چاہتے تھے اور جب یہ ثابت ہوا تو معلوم ہؤا کہ وید سے پہلے بھی کوئی کتاب تھی جس سے دنیا کی رہنمائی کی جاتی تھی۔ پس ہندوؤں کا یہ عقیدہ کہ پرمیشور ایک ہی دفعہ بولا اور اس کی طرف سے ایک ہی کتاب ہے یعنی وید خود ان کے اپنے عقیدہ کی رو سے باطل ٹھہرتا ہے۔

پھر اگر یہ کہا جائے کہ پرمیشور پہلے تو بولتا تھا لیکن وید چونکہ مکمل کتاب تھی اس نے اسے پھر بولنا اور کسی کو اپنے کلام سے مستفیض کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ خدا کوئی لغو بات تو کرتا ہی نہیں پس جب ضرورت نہ رہی تو اس نے کلام کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا۔ مگر یہ بات بھی کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی کیونکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ وید کی اصلاح کی ضرورت ہوئی اور اس لئے منو کا دھرم شاستر بنایا گیا۔ اور بفرض محال ضرورت بھی نہ پڑی سہی تو بھی تو ضروری نہیں کہ خدا تعالیٰ کلام نہ کرے اور چپ ہو کر بیٹھ جائے جب ایک وقت بولتا تھا تو اب کیوں نہیں بولتا۔ مانا کہ تعلیم پوری ہو گئی مگر ایک عاشق رات دن اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح اپنے معشوق یا محبوب سے کلام کرے اس کا بھی تو کچھ حق ہے کہ وہ اس تڑپ کو دور کرنے کا جو کہ اس کے دل میں بار بار پیدا ہوتی ہے کوئی ذریعہ حاصل کرے پس اگر کچھ نہیں تو اس بے قرار کو ہی جو کہ پرمیشور کے بدلہ اپنا مال اسباب' جان اور عزت و آبرو تک قربان کر کے جنگل بہ جنگل پھر رہا ہے اپنی آواز سنایا کرے تا کہ اس کے دل کو تسلی ہو اور وہ اس محبت میں جو کہ خالص اسی کے ساتھ رکھتا ہے اور بھی ترقی کرے اور نہ صرف یہی بلکہ دوسرے لوگوں کی تسلی کا بھی باعث ہو کیونکہ جب لوگ دیکھیں گے کہ خدا تعالیٰ ایک آدمی سے کلام کرتا ہے تو ان کے دل میں اس کی ہستی کا کامل یقین ہو جائے گا اور وہ خود بھی کوشش کریں گے کہ ہم بھی اس آدمی کی طرح خدا تعالیٰ سے محبت کر کے یہ رتبہ حاصل کریں پس یہ بات نہ صرف ایک بیقرار محبت کی تسلی کا باعث ہو گی بلکہ لوگوں کی ترقی ایمان اور خدا تعالیٰ سے محبت کرنے کی خواہش کا ذریعہ بنے گی جس سے کہ خدا تعالیٰ کی وہ غرض بھی پوری ہو جائے گی جو کہ اس نے انسان کے پیدا کرنے میں رکھی تھی پس تعلیم کا پورا ہونا اس بات پر دلالت

نہیں کرتا کہ الہام و وحی کا سلسلہ بھی بند کیا جائے بیشک شریعت ختم سمجھی جائے گی لیکن خدا تعالیٰ سے کلام کرنے کی خواہش جو کہ محبت کا لازمی نتیجہ ہے کبھی بھی رک نہیں سکتی کیونکہ محب یعنی محبت کرنے والا اس بات کو چاہتا ہے کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں کسی طرح اس کا حال بھی مجھ کو معلوم ہو کہ وہ مجھ کو چاہتا ہے یا نہیں اور اس بات کے دریافت کرنے کے لئے ہر طرح کی وہ کوشش کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے مگر اہل ہنود کے مذہب میں کوئی ایسی بات نہیں رکھی گئی ہے جس سے کہ محبت محبوب کی محبت کو دریافت کرسکے اور اس طرح گویا کہ کل عاشقوں کا خون کیا گیا ہے جو کہ اپنی جانیں اس بات کے لئے قربان کردیتے ہیں کہ کسی طرح محبوب ہم پر ایک نظر ڈالے اور جبکہ ان کو تسلی ہی نہ ہوگی کہ پرمیشور ہماری محبت کو جانتا ہے یا نہیں تو ان کے دل کس طرح قرار پائیں گے اور وہ کوشش جو کہ خدا تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں کس طرح جاری رہ سکے گی جبکہ ان کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ ہماری کوشش کہاں تک بار آور ہوئی یا کس حد تک اس کے کامیاب ہونے کی امید ہے اور اس صورت میں تھوڑی مدت کے بعد عاشقوں کے دل کھٹے ہو جائیں گے اور طرح طرح کے خیالات اور وساوس میں پڑ جائیں گے یہاں تک کہ خود اس ہستی سے ہی انکار کر بیٹھیں گے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں میں کثرت سے خدا کا انکار پایا جاتا ہے جیسا کہ آریہ جینی ناستک مت وغیرہ وغیرہ۔ یہاں آریہ کا لفظ پڑھ کر ناظرین تعجب کریں گے کہ ان کا نام دہریوں یا خدا کی ہستی کا انکار کرنے والوں کی فہرست میں کیوں لایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ خدا کا انکار نہیں کرتے بلکہ اقرار کرتے ہیں مگر میں آگے چل کر انشاء اللہ آریوں کے بیان میں ثابت کروں گا کہ آریہ درحقیقت خدا کا ہی انکار کرتے ہیں اور دہریت کے پھیل جانے کے علاوہ جو لوگ خدا پر ایمان بھی لاویں وہ بھی اس یقین اور معرفت کے ساتھ خدا کو کب مان سکتے ہیں جیسا کہ وہ جن کے سامنے ہر وقت ایسے لوگ موجود ہیں جن سے کہ خدا ہم کلام ہوتا ہے کیونکہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

ان کو کیا معلوم کہ کسی زمانہ میں کچھ رشی گذرے تھے اور ان سے کچھ کلام بھی کیا گیا ہے لیکن اب وہ سلسلہ قطعاً بند کیا گیا ہے اور جو کہ اس بات پر کچھ بھی غور کریں گے ان کے دل میں فوراً یہ شک گذرے گا کہ کہیں یہ رشیوں کا ہونا اور ان سے خدا کا کلام کرنا ان قصوں میں سے تو نہیں جو کہ بچوں کے بہلانے کے لئے بنائے گئے ہیں کیونکہ اگر یہ سچ ہوتا کہ خدا کسی سے کلام بھی کرتا ہے تو آج کل بھی کسی سے کرتا یا کم سے کم کسی تاریخی زمانہ میں اس کی شہادت پائی جاتی۔ مگر ایسا نہیں اس

لئے ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ اور ایسے شکوک کو رفع کرنے کے لئے اور دنیا پر اپنا نام ثابت کرنے کے لئے پرمیشور کو ضروری تھا کہ وہ کچھ بندوبست کرتا مگر افسوس کہ ہمیں کوئی ایسا ذریعہ نہیں ملتا جس سے کہ ہم اس اعتراض کو مٹا سکیں اور اگر کوئی ہے اور اب بھی کوئی ایسا انسان دنیا میں موجود ہے جس سے خدا کلام کرتا ہے تو امید ہے کہ کوئی ہندو مہاشہ ہمیں اس سے انٹروڈیوس (Introduce) کرائیں گے اور دنیا پر ایک بڑا احسان کریں گے کہ آج تک مخالف جس بات کا رونا رو رہے تھے اور بار بار اعتراض کرتے تھے کہ الہام الٰہی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے وہ غلط ہے اور ہندوؤں میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کہ رشیوں کی طرح خدا سے اس قسم کا تعلق رکھتے ہیں۔ مگر یہ ثابت کرنا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ یہ ثابت کرنا کہ تین ایک ہے اور ایک تین۔ پس ہم دوسری بات کو لیتے ہیں اور اس بات کو کہ آیا ہم نے ہندوؤں کا سلسلہ الہام سے منقطع ہونا ثابت کر دیا ہے یا نہیں ناظرین کے انصاف پر ہی چھوڑتے ہیں اور وہ دوسری بات ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بتوں کی پرستش کے بغیر نجات کا ملنا محال ہے اس عقیدہ کے ردّ کے لئے ہم کو کچھ گہری تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم پہلے اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ کسی سوال کا آگے سے جواب ملنا ہی اس بات کا کامل ثبوت ہوتا ہے کہ وہ چیز درحقیقت اس بات کے لائق ہے کہ ہماری بات کو پورا کر سکے یا ہم کو تسلی ہی دے سکے مگر بتوں کے آگے سر جھکانا اس قدر فضول ہے کہ خواہ کتنا ہی چیخیں چلائیں وہاں سے جواب باصواب ملنا تو الگ رہا انکار تک سے اطلاع نہیں دی جاتی۔ پھر ہم کس طرح تسلیم کرلیں کہ وہ سنتے بھی ہیں۔ کیونکہ ایک چیز کا یا ایک جاندار کا بولنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سنتا بھی ہے مگر جب چیخنے پر بھی جواب نہ ملے تو فوراً خیال اس طرف جاتا ہے کہ ضرور اس جاندار کی یا تو زبان نہیں یا کان نہیں اور ان دونوں صورتوں میں بتوں کا ابطال ہوتا ہے اگر سنتے نہیں تو انہوں نے ہمارے کام خاک کرنے ہیں۔ اور اگر بول نہیں سکتے اور خود اپنے لئے گویائی پیدا نہیں کر سکتے تو ہمارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ اور دوسرے غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے ان عجائبات قدرت کو جن کے سمجھنے سے ان کی عقل قاصر رہی خدا یا اس کے نائب تصور کر لیا ہے اور اسی طرح بڑی اور شاندار چیزوں کو بھی وہی درجہ عطا کیا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دو چیزوں کو انہوں نے خدا نہیں بنایا بلکہ لاکھوں چیزوں کو قابل پرستش ٹھہرایا ہے یہاں تک کہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے تینتیس (۳۳) کروڑ دیوتا ہیں۔ اور یہ کامل ثبوت ہے ہمارے دعویٰ کا کہ درحقیقت جس بات کی بڑائی ان کے دل میں بیٹھ گئی اس کی یہ پرستش کرنے لگ گئے۔ اور جو بڑا

آدمی ان میں پیدا ہؤا اس کی انہوں نے پوجا شروع کردی یہاں تک کہ انہوں نے مسلمان فقیروں کو بھی اوتار مان لیا ہے اور آج ہندوستان میں کئی سو سے زیادہ ایسی مسلمانوں کی قبریں ہوں گی جن کو ہندو پوجتے ہیں۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ درخت جب پرانا ہو جاتا ہے تو اس کی بھی یہ پرستش کرنے لگ جاتے ہیں۔ خوبصورت پتھروں کی پوجا شروع کردیتے ہیں اور ضعیف الاعتقادی میں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ عورت اور مرد کی شرم گاہوں تک کی پوجا کرتے ہیں۔

پس کیا یہ بات اس بات کے ثبوت کے لئے کافی نہیں کہ ہر ایک عجیب اور شاندار چیز کی یہ پرستش کرنے لگ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید اسی میں خدا مل جائے اور جس کو اس بات پر بھروسہ نہ ہو کہ خدا کس طریقہ سے ملتا ہے تو وہ اوروں کی ہدایت کا بیڑا کس طرح اٹھا سکتا ہے اور وہ کس طرح کہہ سکتا کہ خدا اس طریقہ سے ملتا ہے اور اس طریقہ سے نہیں۔ قرآن شریف نے بت پرستی کے ابطال میں ایک بہت عمدہ دلیل بیان کی ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جو کہ بنی اسرائیل کے ایک بڑے بادشاہ گزرے ہیں اور اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی ہونے کا درجہ بھی رکھتے ہیں ایک عورت کو جو کہ سبا کی شہزادی تھی اپنے پایہ تخت میں بلایا اور وہ شہزادی سورج پرست تھی (یہ پوجا ہندوؤں میں نہایت کثرت سے جاری ہے) اور انہوں نے اس کو غلطی پر ثابت کرنے کے لئے ایک مکان بنایا اور اس میں ایسے شیشہ کا فرش کیا جو کہ نہایت صاف تھا اور اس کے نیچے سے نہر گذاری جس سے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہاں نہریں جاری ہیں اور بیچ میں کوئی روک حائل نہیں اور جب وہ شہزادی وہاں سے گزرنے لگی تو اس نے نہر سمجھ کر اپنے پائینچے اٹھائے مگر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ شیشہ کا فرش ہے نہر نہیں جس پر اس نے اپنی غلطی کا اقرار کیا کہ میں جو سورج کی پرستش کرتی تھی اس میں میری غلطی ہی تھی۔ سورج کے لئے روشنی مہیا کرنے والی ایک اور ذات ہے جس نے خود سورج کو پیدا کیا اور اس میں روشنی پھیلانے کے خواص بھی رکھے۔ پس اسی طرح ہنود میں یہ جس قدر بت پرستی پھیلی ہوئی ہے صرف کم توجہی کی وجہ سے ہے اگر اس معاملہ میں یہ تدبیر کرتے اور پرمیشور سے دعا کرتے تو ممکن تھا کہ ان کو ہدایت ہوتی مگر انہوں نے اس معاملہ میں کچھ بھی توجہ نہ کی۔ حالانکہ اسی پر آئندہ زندگی کا مدار تھا اور موت کے بعد کے زمانہ کا اس کے مطابق آغاز تھا۔ یعنی بھلے کاموں کی جزاء بھلی اور برے کاموں کی جزاء بری ملنی تھی۔ اب ہم تناسخ کا مسئلہ لیتے ہیں کہ جس پر ہندوؤں کو بڑا فخر ہے اور جس پر کہ مدت سے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب میں مباحثات کا سلسلہ جاری ہے۔ تناسخ یہ ہے کہ جس طرح انسان کام

کرتا ہے اسی طرح کا اس کو بدلہ مل کر وہ دوسری دفعہ پھر پیدا ہوتا ہے اور اگر کسی نے کوئی برے کام کئے ہوتے ہیں تو بیل گدھا کتا وغیرہ بہت سی مختلف شکلوں میں اس دنیا میں دوبارہ لوٹ آتا ہے اور ایک مدت کے بعد جبکہ اس کے گناہوں کی پوری سزا مل چکتی ہے تو پھر اس کو بہشت میں داخل کیا جاتا ہے۔ اب دیکھنے کی یہ بات ہے کہ جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو اس وقت گویا کہ وہ کچھ اچھے کام کر کے اس کے بدلہ میں یہ انعام پاتا ہے اور اگر پھر وہ اچھے ہی کام کرے تو پھر اس کو دوبارہ دنیا میں انسان کی شکل ہی میں آنا چاہئے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک زمانہ میں ہندوؤں میں ایک بہت بڑا عالم و فاضل پیدا ہوتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد ایک زمانہ گزر جاتا ہے مگر کوئی اس کا جوڑ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر تناسخ کا مسئلہ درحقیقت صحیح تھا تو ضروری تھا کہ ایک بڑا آدمی جو کہ اپنی ساری عمر میں ہمیشہ اچھے کام ہی کرتا رہا پھر ایک عالی شان گھرانے میں پیدا ہو اور دنیا میں اپنے ظہور سے برکتیں پھیلائے مگر مشاہدہ اس کے برخلاف ظاہر کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ہی غلط ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ کوئی انسان برے اعمال کرنے کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تو یہ ماننا پڑے گا کہ سناتن دھرم نجات کے بالکل برخلاف ہے اور اس کے پیروان بے فائدہ نجات کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ تناسخ کی وجہ سے نجات کا دروازہ بالکل بند ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ تناسخ سے نجات پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو کم سے کم یہ مشکل تو حل نہیں ہوتی کہ کرشن علیہ السلام کی پیشگوئی ہے کہ آخر زمانہ میں جب بدی بڑھ جائے گی 'گائے بکری کے برابر دودھ دے گی' دس برس کی لڑکی بچہ جنے گی تو اس وقت کلنک اوتار جنم لیں گے اور وہ کل جگ کا زمانہ ہوگا۔ پس اس صورت سے لازمی تھا کہ بجائے اس کے کہ دنیا میں انسانوں کی دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوتی روز بروز آبادی گھٹتی جاتی کیونکہ کل جگ کے زمانہ میں بدیوں کی کثرت کی وجہ سے انسان بہت کم پیدا ہوتے اور گھوڑے کتے خچر بندر اور ریچھ کی کوئی حد ہی نہ ہوتی۔ بلکہ بجائے اس کے کہ دنیا میں اس قدر ترقیاں ہوتیں چاہئے تھا کہ انسان وحشیوں کی طرح ہو جاتے۔ تمام ترقیاں رک جاتیں اور درندوں اور انسانوں میں کوئی فرق نہ رہتا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں میں اس وقت کوئی سلطنت نہیں ہے حالانکہ بعض نیکیوں کا بدلہ ہوتا تھا کہ ایک انسان باخدا راجہ یا مہاراجہ ہو جائے جیسا کہ بکرماجیت پرتھوی راج وغیرہ پہلے زمانہ میں ہوئے اور یہ کہ اس کے ماتحت ایک بڑا ملک ہو جس پر کہ وہ خود مختارانہ حکمراں ہو۔ مگر آج چونکہ ہندوؤں میں ایسا کوئی نہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیکیاں اور وہ خوبیاں جن کا بدلہ انسان کو اس صورت میں ملتا ہے وہ اب رہی ہی نہیں اور دنیا سے ایسے عمدہ کام ہی اٹھ گئے

ہیں جن سے کہ ایک انسان خود مختار راجہ بنتا تھا اور اس طرح ہم خیال کر سکتے ہیں کہ کچھ مدت کے بعد یہ مذہب مرجائے بلکہ روحانی طور پر اب بھی مردہ ہی ہے کیونکہ اس وقت ان میں کوئی ایسا نیک بخت نہیں ہے جس نے کہ نیک کام کرنے کے بعد راجہ مہاراجہ کا درجہ حاصل کیا ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت بھی ہم میں راجہ مہاراجہ موجود ہیں تو یہ بے فائدہ کی ہٹ ہوگی۔ کیونکہ اس وقت کے راجوں کی حالت تو اظہر من الشمس ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب میں سے وہ نیکیاں جن سے کہ بااختیار راجہ کی صورت میں انسان پیدا ہوتا ہے نہیں رہیں اور اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ ایسا آدمی کسی اور مذہب میں پیدا ہو جاتا ہے مگر یہ گویا اپنے پیر پر آپ کلہاڑی مارنی ہے کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ دوسرے مذاہب بھی سچے ہیں۔

اس وقت ایک اور بہت زبردست دلیل ہمارے خیال میں آئی ہے جس سے کہ تناسخ کا ابطال خوب اچھی طرح سے ہوتا ہے۔ ہنود کو بڑا فخر اس بات کا ہے کہ ہم قدیم سے ہیں اور ہم فلاں فلاں سورماؤں کی نسلوں سے ہیں اور دوسری تمام نسلیں پیچھے کی ہیں اور ہماری نسبت کم درجے کی ہیں مگر تناسخ کو مانتے ہوئے یہ عقیدہ بالکل باطل ہو جاتا ہے کیونکہ تمام دنیا کی قوموں کی شناخت تمام نسلوں کا امتیاز اور تمام ملکوں کے باشندوں کا فرق تناسخ کو ماننے کی صورت میں قطعاً نہیں رہتا کیونکہ جو کوئی اچھے کام کرے گا وہ اس مذہب میں آجائے گا اور جو کوئی برے کام کرے گا وہ دوسرے مذاہب کے حصہ میں آجائے گا پس کوئی بڑی بات نہیں کہ ایک شودر نیک کام کر کے برہمنوں کے زمرہ میں جا ملے اور ایک برہمن برے کام کر کے عیسائیوں میں جا پیدا ہو۔ اور ایک مسلمان اپنے اعمال کی وجہ سے شودروں میں جنم لے پس یہ تمام ذات پات کے جھگڑے لغو اور بیہودہ ہو جاتے ہیں جن پر کہ ہندو دھرم نے بڑا زور دیا ہے۔

اگر ایک شودر نیک کام کر کے اگلے جنم میں برہمن بن سکتا ہے تو شودر اور برہمن میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ جس شودر پر کوئی سختی روا رکھی جائے وہ اس وقت برہمنوں میں ملنے کا کام کر رہا ہو اور جس برہمن کی ہندو دھرم کے رو سے رعایت کی جائے اس کے اعمال اس وقت ایسے ہوں جیسے کہ شودروں کے۔ پس کیا اس شودر پر سختی کرنی اور اس برہمن کی رعایت کرنی جن کے اعمال مذکورہ بالا طریق پر ہوں ظلم نہیں ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ دوسرے لوگ نیک اعمال ہی نہیں کرتے تو اس صورت میں بھی بہت مشکل پیش آتی ہے کیونکہ پھر تو گویا کہ پرمیشور نے ہندو دھرم کے تباہ کرنے کی نیت کی ہے کیونکہ دوسروں نے تو نیک اعمال کرنے ہی نہ ہوئے اور ہندو

دھرم نے بڑھنا ہی نہ ہؤا اور دوسرے لوگ نیک اعمال کریں گے تبھی تو وہ تناسخ کے ذریعہ ہندو دھرم میں جنم لیں گے مگر جب وہ نیک اعمال کریں گے ہی نہیں تو ہندو دھرم بڑھے گا کیونکر اور جب بڑھے گا نہیں تو کم ضرور ہو گا کیونکہ برے اعمال تو ہندوؤں نے ضرور کرنے ہوئے اور اس طرح وہ دوسرے مذاہب میں جا کر جنم لیں گے۔ اور ہندو دھرم روز بروز گھٹتا ہی جاوے گا اور پھر ایک اور مشکل پیش آوے گی کہ گائے جو کہ ان کے نزدیک ایک بڑا متبرک جانور ہے اس کی جون میں دوسرے مذہب والے جنم لیتے رہیں گے غرضکہ اس طرح پر لازم تھا کہ ہندو مذہب دو چار صدیوں میں ہی تباہ ہو جاتا مگر چونکہ اب تک تباہ نہیں ہؤا اس لئے معلوم ہؤا کہ یہ بات غلط ہے کہ دوسرے مذاہب والے نیک اعمال نہیں کرتے بلکہ ثابت ہؤا کہ وہ نیک اعمال کرتے ہیں اور اس کے بدلے ہندوؤں میں جنم لیتے ہیں اور اس صورت میں وہ ذاتوں کے تمام قوانین جو کہ ہندوؤں میں ایک سخت حکم کے طور پر سمجھے جاتے ہیں فضول ٹھہرتے ہیں جیسا کہ ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں اور جب ایک مذہب کی وہ بات جو کہ بڑے ستونوں میں سے ہو رد کی جائے تو باقی کی نسبت ہم کیا امید کر سکتے ہیں اور یہاں تو صرف ایک ہی نہیں بلکہ کئی اور باتیں ہم غلط ثابت کر چکے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ تناسخ سے عملی طور سے فائدہ کیا مرتب ہوتا ہے۔ اگر تناسخ سے یہ فائدہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسان اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر پاک ہو جائے تو یہ صورت تو ناممکن ہے کیونکہ ہر ایک گناہ کے بدلے ایک جون بھگتنی پڑتی ہے اور پھر ہر ایک جون میں گناہ لازم ہوئے تو اس طرح کبھی انسان جونوں کے پھندے سے بچ نہیں سکتا۔ پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس جونوں میں بدلنے کے کام سے پرمیشور نے کیا فائدہ سوچا ہے۔ جہاں تک ہم سوچتے ہیں تناسخ کی وجہ سے نجات ایک دم کے لئے بھی حرام ہے۔ پس پرکاش کا عقیدہ رکھنا یا سرگ پر ایمان لانا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ جب نجات ممکن ہی نہیں تو بہشت یا جنت بھی ساتھ ہی ناممکن ٹھہرے۔ میرے وہم میں بھی نہیں آسکتا کہ اس عقیدہ پر ایمان لا کر پھر کوئی شخص نجات کا قائل ہو سکے۔ اگر اس عقیدہ کو مانیں تو پرمیشور کا نعوذ باللہ فریبی ہونا ثابت ہوتا ہے اور اگر اس عقیدہ کا انکار کریں تو پھر مذہب ہنود کا سچا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ پس اب اس صورت میں جو کہ کچھ سناتن دھرمی صاحبان اپنے پر گوارا کرلیں وہی ہم کو بھی منظور ہو گا یا تو کہہ دیں کہ بیشک انسان کو خدا نے ایک خیالی جنت کی طرف بلایا ہے حالانکہ بہشت صرف ایک ڈھکوسلا ہے۔ یا اقرار کریں کہ ہمارا مذہب جھوٹا ہے۔ اگر ہماری رائے پوچھیں تو ہم دوسری بات کو ترجیح دیں گے کہ اصل میں تو یہ مذہب کسی وقت کسی اور

صورت میں خدا کی طرف سے ہی تھا مگر بعض ناخدا ترسوں نے دنیا کے گمراہ کرنے کے لئے اس میں بہت کچھ ملا دیا جس سے کہ اس مذہب کی صورت مسخ ہو کر اور کی اور ہی بن گئی پس اس صورت میں جو الزام خدا پر وارد ہوتا ہے وہ بندوں پر لگ جائے گا اور اس میں چنداں کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہی رہتے ہیں جن کو صرف جھوٹ اور فریب سے ہی دلچسپی ہوتی ہے اور ان کا خیال ہر وقت سچائی کو مٹانے کے درپے ہوتا ہے۔

اب ایک اور مختصر اعتراض ہم اس عقیدہ پر کرتے ہیں کہ کم سے کم پرمیشور کو لازم تھا کہ ان غریب جونیں بھگتنے والوں کو اس بات کی اطلاع کر دیا کرتا کہ فلاں گناہ اور فلاں قصور کے بدلے میں تم کو یہ سزا دی جاتی ہے جس سے کہ اس انسان کو اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا کہ وہ آئندہ اس گناہ سے تو بچتا اور جب گناہ کا پتہ ہی ایک آدمی کو نہ دیا جائے گا تو وہ اس سے بچنے کی کیا خاک کوشش کرے گا۔ بلکہ بے خبری کی وجہ سے پھر گناہوں میں پھنس کر گناہوں کا ایک اور تومار اکٹھا کر لے گا جس کی وجہ سے وہ کبھی جونوں کے چکر سے نجات حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہ کیا انصاف اور کس قسم کا عدل ہے کہ بلا گناہ اور بغیر بتائے جرم کے ایک شخص کو سزا دی جاتی ہے حالانکہ یہی لوگ جو اس عقیدہ پر ایمان لاتے ہیں اگر کہیں کوئی برٹش مجسٹریٹ غلطی سے کسی مجرم کو بلا بتائے گناہ کے سزا دیتا ہے تو اس قدر واویلا کرتے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں رہتی ایک طرف تو اخباروں والے وہ شور مچاتے ہیں کہ ان کے آرٹیکل پڑھتے پڑھتے لوگ تھک جاتے ہیں دوسری طرف وکیل اور بیرسٹر جلسوں پر جلسے کر کے پبلک کو جگاتے ہیں کہ دیکھو اس قدر ظلم ہم پر ہو رہا ہے حالانکہ وہ بات کچھ بھی نہیں ہوتی پھر اسی پر بس نہیں بلکہ بڑے بڑے لیکچرار ملک کا دورہ کرتے ہیں اور دھواں دھار تقریروں سے ایک تنکے کا پہاڑ بنا کر دکھاتے ہیں اور سامعین سے انصاف چاہتے ہیں کہ کیا اب کوئی ظلم کی حد رہ گئی ہے۔ مگر یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ تو بات ہی کچھ نہیں ہمارا پرمیشور بھی اسی طرح کرتا ہے کہ گناہ تو بتاتا ہی نہیں اور جھٹ ایک شخص کو پکڑ کر کتا بنا دیتا ہے تو دوسرے کو بندر۔ اگر ان کی فطرت سے یہ بات باہر ہے کہ بغیر خطا کے بتائے کے سزا دی جائے اور یا اس کو گناہ سمجھتے ہیں تو سب سے پہلے تو انہیں پرمیشور کے مقابلہ میں ایجیٹیشن (Agitation) کرنا چاہئے تھا اور جوش کی نمائش کرنی چاہئے تھی کیونکہ جب وہ ذرا سی سزا برداشت نہیں کر سکتے تو بڑی سزا کس طرح برداشت کریں گے۔

اب میں اس مسئلہ کو ختم کرتا ہوں اور ناظرین کو یہ بتائے دیتا ہوں کہ اگرچہ میں نے اتمام حجت

کے لئے یہ جواب لکھ دیئے ہیں مگر اصل میں ان کی کوئی اتنی بڑی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اہل ہنود کے پاس تناسخ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور پرمیشور نے بتایا نہیں کہ فلاں فلاں گناہ کے بدلے فلاں جون بھگتنی پڑے گی۔ ان کے نبیوں نے بھی ظاہر نہیں کیا کہ ہم پہلے فلاں جون میں تھے اور اب فلاں جونیں بھگتیں گے پھر عقل سلیم باور نہیں کرتی۔ اب ان کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ رہ جاتا ہے کہ انسان تناسخ کے پھیر میں آکر جونیں بھگتے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں بھگتے گا ان کے پاس دلیل کیا ہے اگر انکا دعویٰ یہ ہے کہ ایسا ہوگا تو ہمارا دعویٰ ہے کہ نہیں ہوگا۔ اگر ان کے پاس دلیل کوئی نہیں تو ہمارے پاس نہ ہونے کی دلیلیں ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ ہم نے اس مضمون میں بڑی بڑی باتیں غلط ثابت کرکے دکھائی ہیں☆ اور اب صاف ظاہر ہے کہ ہندوؤں کا خدا تو اس قابل نہیں کہ ہم اس سے محبت کرسکیں کیونکہ نہ ہماری پکار کا جواب دیتا ہے نہ ہم پر رحم کرتا ہے اور باوجود اس سے محبت کرنے کے وہ الٹا ہم کو تناسخ کسے لایعنی پھیر میں ڈالتا ہے۔

اب ہم آریہ مت کو لیتے ہیں۔ یہ ایک نیا فرقہ ہنود میں نکلا ہے مگر اپنا بہت سا پہلو بدل کر دنیا کے سامنے پیش ہؤا ہے اس فرقے پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم اتنا کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس کے متعلق کچھ لکھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس فرقے کے بانی اور اس کے چیلوں نے جو نمونہ دنیا کو دکھایا ہے وہ سخت ہی قابل مذمت ہے اس فرقے کا ظہور چالیس پچاس برس کے اندر کا ہی ہے اور اس قلیل عرصہ میں بھی اس کے پیروان نے جس قدر لوگوں کا دل دکھایا ہے اس کے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں یہ جب بات شروع کرتے ہیں تو پہلے اس کو گالیوں سے مزین کرلیتے ہیں۔ لڑائی جھگڑا اور فساد ان کے وعظوں میں اکثر ہوتا ہے کوئی بزرگ دنیا میں نہیں گذرا ہوگا کہ جس کی توہین نہ کی ہو۔ آدمؑ کو گالیاں حضرت ابراہیمؑ کو تبرے' موسیٰؑ کی توہین' عیسیٰؑ کی مذمت' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کہ جن کے اخلاق کا نمونہ کسی نے دکھایا نہ دکھا سکتا ہے ان سے دشمنی کرنا ان کے نزدیک عین ثواب کا کام ہے اور نیکی کا جزو اعظم ہے اور پھر یہی نہیں باوا نانک صاحبؒ کہ جن کو تمام مذاہب والے نیک کہتے ہیں اور ان کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کی نسبت بھی سخت و سست الفاظ یہ لوگ زبان پر لاتے ہیں مگر اس بات کے جواب میں یہ لوگ تہذیب کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اپنے مخالفین کو گالیاں کیوں نہ دیں جبکہ ہمارا ایمان ہے

☆ ہندو لوگ بھی اس بات کے قائل نہیں کہ ان میں بھی کوئی اور داخل ہو سکتا ہے بلکہ ان کے خیال میں بھی یہودیوں کی طرح نجات اور مذہب والوں پر بلکہ اور قوموں پر حرام ہے اور اگر ان میں کوئی داخل ہونا بھی چاہے تو بھی ناممکن ہے اور قطعی طور سے نجات کا دروازہ اس کے لئے بند ہے۔

کہ وہ ایسے ہی ہیں مگر اس بات کا معلوم نہیں کیا جواب دیں گے کہ کرشنؑ اور رام چندرؑ جی بیچاروں نے کیا قصور کیا تھا کہ یہ لگے ان کو بھی برا بھلا کہنے اور اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو گالیاں دینے سے کام ہے خواہ کوئی سامنے ہو۔ جب دیکھا کہ فلاں بزرگ کی بات ہمارے خیال کے برخلاف ہے تو پیٹ بھر کے گالیاں سنا دیں اور دوسرے لوگ تو خیر مخالف ہی تھے اپنے باپ دادوں کو بھی خالی نہیں چھوڑا جن کی بہت سی باتوں پر یہ اب بھی عمل کرتے ہیں اور ان کی بیویاں تو تمام کمال انہیں رسومات کی پابند ہیں جو پرانے زمانے سے چلی آتی ہیں۔ پھر جبکہ گھر میں زور نہیں چلتا تو باہر دنیا پر کس طرح چل سکتا ہے۔ یہی باتیں تھیں کہ جن کی وجہ سے ہم نے خیال کیا کہ ایسے لوگوں سے کلام کرنا اور ان کی نسبت کچھ لکھنا گویا ان کو عزت دینا ہے اور اپنے بزرگوں کی نسبت گالیاں سننا ہے مگر اس لئے کچھ لکھنا ضروری سمجھا کہ ان کا فتنہ روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے اور جیسا کہ چراغ بجھنے کے وقت ایک تیز روشنی دیکر گل ہو جاتا ہے۔ یا ایک مرنے والا انسان مرتے وقت باوجود سخت بیمار ہونے کے کچھ دیر کے لئے بالکل تندرست ہو جاتا ہے اور اس میں غیر معمولی قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور نادان آدمی سمجھتے ہیں کہ اب یہ اچھا ہو گیا حالانکہ حکیم کی نظر میں یہ اس کی موت کی نشانی ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ جبکہ ویدک مذہب کی زیست کے دن ختم ہو گئے تو آریہ مت کی شکل میں ایک دفعہ چمکے ہیں۔ یا ایک انسان کو مرتے وقت جو افاقہ ہو جاتا ہے اس کی طرح ہنود میں بھی افاقۃ الموت کی طرح یہ لوگ پیدا ہو گئے۔ اور نادان لوگ ان کی تیزی اور طراری سے خائف ہو گئے ہیں کہ کیا در حقیقت ان میں کوئی روحانیت ہے جس کی وجہ سے ان میں اس قدر جوش و خروش ہے۔ مگر یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ یا مرتا ہوا انسان ہے کہ جو جلد ہی اس دنیا سے نابود ہو جائے گا ان کی حالت ظاہر کرتی ہے کہ جلدی ہی کچھ تو ان میں سے دہریہ ہو جائیں گے اور کچھ مسلمان۔ انہوں نے اپنے پرانے مذہب کو چھوڑ کر گویا کہ ایک قدم ترقی کی طرف بڑھایا ہے مگر اس قدم بڑھانے میں کچھ ایسی غلطی کی ہے اور وہ ٹھوکر کھائی ہے کہ کہیں کے کہیں جا پڑے ہیں۔ اس فرقہ نے ہنود میں ایک بڑی اصلاح کی ہے کہ بت پرستی کو ترک کر دیا ہے مگر ساتھ ہی ایک ایسی خوفناک غلطی کر بیٹھے ہیں کہ اس پر غور کرنے سے بدن کانپ اٹھتا ہے یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ روح اور مادہ ایسے ہی ازلی ہیں جیسے کہ خدا اور یہ مخلوقات نہیں بلکہ خود بخود ہیں۔ اس پر بڑا اعتراض ہوتا ہے کہ پھر خدا خدا کیوں ہے۔ روح اور مادہ تو پہلے سے موجود ہیں تو پھر خدا کی ضرورت کیا رہی اور خدا سے ہمارے تعلقات کیونکر رہ سکتے ہیں وہ محبت کا تعلق جو کہ انسان کو خدا سے ہے وہ تو اسی

صورت میں ہے جبکہ انسان اس کی مخلوق ہے اور جبکہ وہ خدا کے بے پایاں رحم اپنے پر دیکھتا ہے مگر جبکہ رحم تو خدا نہیں کر سکتا کیونکہ جونوں کے چکر سے انسان کو وہ چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ اور خالقیت کا بھی کوئی تعلق نہیں تو پھر انسان اس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے اور جبکہ خدا سے محبت کرنے کا کوئی مادہ موجود نہیں تو یہ محبت کہاں سے آگئی اور انسانی دل میں محبت کرنے کا پرمیشور کو خیال کیونکر آیا جبکہ وہ جانتا تھا کہ انسان کی محبت مجھ سے ہونا ناممکن ہے اور پھر یہ کہ انسان کے پیدا کرنے کی غرض کیا تھی؟ اس کی صفات تو اس بات کی مقتضی ہے ہی نہیں کیونکہ نہ وہ رحمان ہے کہ اس کی صفت رحمانی چاہتی تھی کہ کوئی مخلوق ہو اور میں اس پر اس کے کسی کام کے لئے احسان کروں اور نہ وہ رحیم ہے۔ کیونکہ جب وہ جونوں کے چکر میں انسان کو سرگردان کرتا ہے اور اتفاقاً انسان کبھی گناہوں سے پاک ہو کر (اگرچہ یہ ناممکن ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں) پرکاش کی سیر کا مستحق ہوتا ہے یا دوسرے الفاظ میں نجات کے قابل ہو جاتا ہے تو پرمیشور آریوں کے خیال کے مطابق ایک گناہ اس کا رکھ چھوڑتا ہے تاکہ یہ میرے پھندے میں سے نکل نہ جائے اور اس بات کا ہونا ایک رحیم انسان سے بھی بعید ہے۔ چہ جائیکہ رحیم خدا ایسا کرے پس معلوم ہؤا کہ خدا رحیم بھی نہیں اور دوسرے یہ بھی نہیں کہ اس کی صفت خالقی اس کو انسان کے پیدا کرنے پر مجبور کرے اس موقعہ پر مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی جوڑنے جاڑنے والی طاقت اس کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ ایسی مخلوق پیدا کرے اول تو وہ خود ہی شرمندہ ہو گا بشرطیکہ کچھ بھی حیا رکھتا ہو کیونکہ خدا تعالیٰ سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ صرف جوڑنے جاڑنے کی طاقت رکھتا ہو اور اس کے علاوہ بالکل ناطاقت اور بے اختیار ہو اور دوسرے یہ بات نہ صرف سائنس دان یا علم طبعی کے جاننے والے ہی مانتے ہیں کہ ہر ایک چیز میں ایک کشش اتصال ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے حصے یا دوسری چیز کو کھینچتی ہے۔ بلکہ خود آریہ صاحبان بھی اس کے قائل ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔ پس اس طرح اس جوڑنے کی طاقت کا بھی ابطال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب مادہ میں خود ہی جڑنے کا مادہ تھا تو خدا کو یا پرمیشور کو بیچ میں دخل دینے کی کیا حاجت ہوئی۔ مادہ نے تو خود بخود جڑنا ہی تھا اور مختلف صورتیں اختیار کرنی ہی تھیں پھر پرمیشور کا کیا تعلق اور پھر مادہ ازل سے موجود تھا اور خدا نے اس کو نہیں بنایا تھا تو اس میں ایک طاقت تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ پر قائم تھا اور خدا تعالیٰ کے اس پر قبضہ کرنے کے وقت ایک جنگ کی ضرورت تھی۔ کیونکہ جبکہ ایک طاقت والی چیز دوسری پر قبضہ کرنا چاہتی ہے تو بغیر مزاحمت یا جھگڑے کے نہیں کر سکتی جیسا کہ ایک قوی آدمی پر جب بیماری کا حملہ ہوتا

ہے تو اس کی طاقت اور بیماری میں ایک سخت جنگ ہوتی ہے اور اس کے بعد جس کا غلبہ ہوتا ہے وہی انسانی مزاج پر حاوی ہو جاتی ہے۔ پس اسی طرح خدا اور مادہ میں ایک جنگ ہونی چاہئے تھی اب اگر یہ جنگ نہیں ہوئی تو مادہ اور روح ازلی نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ہوئی ہے تو علاوہ اس کے کہ خدا کی طاقتوں اور صفتوں پر ایک سخت دھبہ آتا ہے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک معین وقت ہے۔ کیونکہ جنگ کا ہونا اور پھر ایک کا دوسرے پر غلبہ پانا بھی ایک وقت چاہتا ہے۔ اور اس کے بعد پرمیشور کا جوڑنے جاڑنے کا کام کرنا ایک وقت محدود ہو جاتا ہے جو کہ خود آریہ کے عقیدہ کے برخلاف ہے اور در حقیقت بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ دہریت کا پیش خیمہ کھڑا کیا ہے ورنہ آریہ مت کوئی مذہب نہیں کیونکہ جب خدا بھی ازلی ہؤا۔ پھر روح بھی ازلی ہوئی اور مادہ بھی ازلی ہؤا۔ اور ان میں اتصال کی طاقت بھی ہے تو باقی خدا کا کام کیا رہ گیا۔ اور یہ اس بات کی پکی دلیل ہے کہ آریوں نے اپنے پرانے مذہب کو تباہ کرنے کے لئے ایک قدم ترقی کی ہے اور انہوں نے خیال کیا کہ اگر شروع میں ہی دہریت ظاہر کی تو ہندو پیچھے پڑ جائیں گے اور بنا بنایا کام بگڑ جائے گا پس اس صورت سے قدم بڑھانے چاہئیں کہ ہندوؤں کو خبر نہ ہو اور کام بھی ہو جائے اور اس بات کے ثابت کرنے کے لئے مجھے کوئی بڑی دلیل دینے کی ضرورت نہیں بلکہ خود یہ مسئلہ بھی میرے دعویٰ کی تائید کرتا ہے کہ خدا مادہ اور روح تینوں ازلی ہیں اب خدا کا کام تو صرف اشارہ گیا کہ ان کو جوڑ دے مگر ساتھ ہی پھر ان میں بھی جڑنے کی طاقت ہے اب صرف ان کو ایک قدم اور چلنا ہو گا اور پھر یہ دہریوں میں جائیں گے۔ وہ یہ کہ خدا نے جوڑا بھی نہیں بلکہ خود بخود یہ چیزیں جڑ گئیں کیونکہ ان میں قوت اتصال خود ہی تھی۔ اور اب بھی یہ کوئی مذہب نہیں رکھتے بلکہ صرف قومیت کے لئے انہوں نے ایک مذہب بنا رکھا ہے۔ ورنہ ان کے خیالوں میں جو کچھ ہے وہ صرف یہ چند روزہ دنیاوی ترقی ہے اور اس کے بعد ان کا کوئی عقیدہ نہیں کہ کوئی دوزخ یا بہشت ہے دوزخ تو انہوں نے تناسخ کے پھیر کا نام رکھا ہے اور بہشت وہ جب اس پھیر سے نجات ملے ☆ مگر خود ان کا ایک عقیدہ ہی تناسخ کا رد کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تناسخ اور پرکاش کا عقیدہ صرف زبانی باتیں ہیں ورنہ دل سے یہ اس بات کے قائل نہیں وہ عقیدہ یہ ہے کہ فلاں فلاں رات کو عورت سے صحبت کرنے سے لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں اور فلاں فلاں میں لڑکے۔ اول تو یہ عقیدہ بذات خود غلط اور عقل سے بعید

☆ یہ قوم نجات کی سخت دشمن ہے کیونکہ تناسخ سے نجات ملنی ممکن ہی نہیں جب ہر ایک گناہ کے بدلے میں ایک جون ضرور بھگتنی پڑے گی تو نجات کیسی اور پھر نجات کے معنی ہیں کامل مخلصی مگر ان کے ہاں کامل مخلصی ہے ہی نہیں بلکہ خدا ایک گناہ رکھ ہی لیتا ہے تاکہ پھر انسان کو تناسخ کے پھیر میں ڈال دے۔

ہے کیونکہ اگر یہ سچ ہوتا تو کم سے کم آریوں کے ہاں لڑکوں کی وہ کثرت ہوتی کہ دنیا دنگ رہ جاتی مگر ہم ایسا نہیں دیکھتے ہیں بلکہ خود پنڈت لیکھرام کے ہاں جو کہ ان کا ایک گرو گھنٹال گذرا ہے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور اس وقت ان کے کئی بڑے بڑے لیڈروں کے ہاں نرینہ اولاد نہیں غرض کہ یہ عقیدہ عملی طور سے بالکل غلط ثابت ہؤا ہے اور پھر ایک اور بات اس کو غلط ثابت کرتی ہے اور اس کے بیان کرنے سے پہلے ہم کو افسوس سے یہ کہنا پڑے گا کہ۔ دروغ گو را حافظہ نباشد

اور وہ یہ ہے کہ جب پنڈت دیانند نے جو کہ ان کے مذہب کا بانی ہے تاریخیں مقرر کردی ہیں کہ فلاں میں لڑکے اور فلاں میں لڑکیاں پیدا ہوں گی تو پھر اس بات کے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہ نیوگ میں گیارہ لڑکے ہی شمار ہوں گے اور لڑکیاں اس شمار میں نہیں ہوں گی جبکہ لڑکے پیدا کرنا اپنے اختیار میں ہے تو پھر لڑکیوں کا کیا ذکر۔ وہ مرد جس کے اولاد نہیں ہوتی وہ خود دیکھ لے گا کہ فلاں رات لڑکا پیدا کرنے کی ہے وہ اسی دن نیوگی خاوند کو بلائے گا اصلی بات وہی ہے جو کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ پنڈت دیانند کو وہ قاعدہ بھول گیا جو کہ وہ لڑکے اور لڑکیاں پیدا کرنے کی نسبت باندھ آئے تھے اور نیوگ کا ذکر کرتے ہوئے انہیں فکر ہوئی کہ اگر لڑکیاں ہی پیدا ہوں تو پھر کیا ہوگا خاوند کی سب محنت رائیگاں ہوئی اور بیوی بھی ہاتھ سے جائے گی اس لئے انہوں نے قاعدہ بنایا کہ شرط یہ ہے کہ نیوگی اولاد نرینہ ہو مگر اس طرح خود انہوں نے اس قاعدہ کو توڑ دیا جو کہ اولاد حاصل کرنے کے لئے باندھا تھا مگر اس وقت ہمارا مدعا اور تھا یہ قاعدہ بذات خود تو غلط ثابت ہو ہی گیا ہے اس لئے ہم اصل بات کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ یہ کہ آریوں کا عقیدہ ایسا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں پیدا کرنا اپنا اختیار ہے پس جبکہ ایسا ہے تو تناسخ غلط ٹھہرتا ہے کیونکہ ایک انسان جس نے پچھلے جنم میں ایسے کام کئے تھے کہ جن کی وجہ سے اس کے لڑکے نہیں ہوئے تھے وہ اس قاعدہ پر چل کر نرینہ اولاد حاصل کر سکتا ہے پس اس سے تناسخ باطل ہو جاتا ہے تناسخ تو تب صحیح تھا کہ انسان لڑکے لڑکیاں خود نہ پیدا کر سکے اور جیسے عمل کئے ہیں ویسی سزا یا بدلہ پائے مگر اس صورت میں بدلہ نہیں رہتا بلکہ انسان کا اپنا اختیار ہو جاتا ہے اور اس طرح تناسخ رد ہو جاتا ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک غریب آدمی کے لڑکے ہونے تھے اور ایک امیر کے لڑکیاں اور یہ اس لئے کہ انہوں نے پچھلے جنم اس کے مطابق کام کئے تھے مگر امیر تو دیانند کے قواعد کے مطابق لڑکے حاصل کرتا ہے اور غریب کے لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں حالانکہ وہ لڑکے تو بوجہ اس غریب کے پچھلے جنم کے کاموں کے اس کے ہاں پیدا ہونے تھے اور خود وہ لڑکے جو کہ امیر کے ہاں جا کر پیدا ہو گئے ان کے اعمال تو ایسے تھے کہ وہ اس غریب کے ہاں پیدا

ہو کر فاقوں سے عمر گذارتے انہوں نے اعمال ہی ایسے کئے تھے کہ ان کو یہ سزا دی جاتی ہے اب جو وہ امیر کے گھر پیدا ہو گئے تو کس کام کے بدلہ میں ہوئے جبکہ مسئلہ تناسخ مجبور کر رہا ہے کہ وہ ایک غریب کے ہاں پیدا ہوں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس عقیدہ سے جو کہ خود آریوں کا عقیدہ ہے تناسخ کی جڑ کٹ جاتی ہے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ لڑکے لڑکیاں اعمال کے مطابق ہیں اپنے اختیار میں نہیں یا تناسخ کے عقیدہ کو باطل قرار دیا جائے گا اور ان دونوں صورتوں میں آریہ مت کا ابطال ہوتا ہے یہ دلیل ایسی قاطع ہے کہ ضد اور ہٹ سے اگر کام نہ لیا جائے تو آریوں پر ایک بڑا سخت حربہ ہے ہاں اگر آریہ صاحبان اپنی جبلی عادت کو کام میں لا کر پھر بھی گالیوں پر اتر آئیں اور ہماری اس دلیل کو غور سے نہ دیکھیں نہ سمجھیں تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہم مسلمانوں کی طرف سے کافی دلائل اس بات کے ثبوت کے لئے دیئے گئے ہیں کہ آریہ مت کو قبول کر کے ایسے پر میشور سے معاملہ نہیں پڑتا جس سے کہ محبت کی جا سکے بلکہ سراسر اس کے برخلاف ہے میں انتظار کرتا ہوں کہ اس اعتراض کے ہوتے ہوئے آریہ صاحبان تناسخ کی سچائی کی کیا دلیل دیتے ہیں اگرچہ یہ لازمی امر ہے کہ وہ کوئی جواب گھڑ تو ضرور لیں گے اور اس شد و مد سے اس کو بیان کریں گے گویا سچائی اور حق ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے۔

اب میں اصل مطلب کی طرف لوٹتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تناسخ خود ان کے عقیدہ کے مطابق غلط ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ تناسخ کی نسبت زبانی ہی ہے ورنہ یہ اصل میں موت کے بعد کوئی اور عالم مانتے ہی نہیں اور دہریت کی طرف بڑی تیزی سے قدم مار رہے ہیں یا بالفاظ دیگر دہریہ ہی ہیں۔ اور ان کے اس عقیدہ سے مادہ اور روح ازلی ہیں خدا کے علم میں بھی فرق آتا ہے کیونکہ جس چیز کو اس نے پیدا ہی نہیں کیا ان کی خاصیتوں اور ماہیتوں کا اس کو علم کیونکر ہوا وہ تو ازلی ابدی ہیں جیسا کہ پر میشور ہے اور پر میشور نے اس کو پیدا ہی نہیں کیا تو کیونکر ان کے مخفی در مخفی رازوں سے واقف ہو گویا کم سے کم اس کو ایک مدت تجربات کرنے میں لگی ہو گی کہ وہ مادہ اور روح کی اصل حقیقت معلوم کرے جو کہ پر میشور پر ایک بدنما دھبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پر میشور پر افتراء کیا گیا ہے

دوسری بات ان کے اعتقاد کی یہ ہے کہ خدا جب دیکھتا ہے کہ تناسخ سے ایک آدمی نجات حاصل کرنے لگا ہے اور قریب ہے کہ وہ اس پھیر سے بالکل بچ جائے تو وہ اس کو پرکاش میں جگہ دیتا ہے جہاں کہ وہ کچھ مدت آرام سے گزارتا ہے اور پھر ایک گناہ کے بدلہ میں جو کہ خدا نے نجات

دیتے وقت رکھ چھوڑا تھا یعنی اس گناہ کی سزا ابھی اس کو نہیں دی تھی اس کو تناسخ کے چکر میں ڈال دیا جاتا ہے اس موقع پر طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ایسا کیا جاتا ہے جبکہ اس کا صرف ایک گناہ رہ گیا تھا اور وہ نجات کے کنارے پر کھڑا تھا اور قریب تھا کہ اس دریا میں ہمیشہ کیلئے غوطہ مارے اور دائمی تکالیف سے بچ جائے کہ پرمیشور نے اس کو ایک غوطہ دیا اور باہر کھڑا کر دیا کہ جا پھر تکالیف کے سمندر میں تیر۔ کیا یہ ظلم نہیں؟ کیا یہ صریح زیادتی نہیں اور پھر ایک ایسی چیز پر جس کا قدامت اور ابدیت میں ایسا ہی دعویٰ ہے جیسا کہ پرمیشور کا۔ پھر جو اس کی مخلوق نہیں اور پھر وہ جو کہ پرمیشور کی کوئی ضرورت نہیں رکھتی اگر پرمیشور نہ بھی ہو تو وہ خود بخود جڑ سکتی ہے اور مختلف شکلوں میں تبدیل ہو سکتی ہے اور پھر یہی نہیں کہ اس طرح مادہ اور روح کو نجات حاصل کرنے سے روکا گیا ہے بلکہ نجات کے دوسرے قواعد بھی ایسے سخت اور کڑے مقرر کئے گئے ہیں کہ نجات ناممکن ہے۔ کیونکہ ہر ایک جیو ہتیا پر جون کا چکر لگانا پڑتا ہے اور پانی جو کہ انسانی ضروریات سے مقرر کیا گیا ہے اس کے ہر قطرے میں ہزاروں کیڑے ہوتے ہیں اور ہوا میں کیڑے ہوتے ہیں اور پھر یہی نہیں بلکہ پنڈت دیانند کے مقرر کردہ قواعد کے رو سے ہر ایک چیز میں روح ہوتی ہے یہاں تک کہ پودوں اور درختوں میں بھی ہوتی ہے تو اس صورت میں جو چیز انسان کھائے گا وہ جاندار ہوگی اور اس کا کھانا جیو ہتیا ہوگا اور جو شخص ایک بھی سانس لے بوجہ ان جرموں کی ہتیا کے جو کہ ہوا میں ہوتے ہیں سینکڑوں جونیں بھگتے گا۔ پس نجات ناممکن ہے اور خود پنڈت دیانند کو معلوم نہیں اتنے کیڑوں اور جانداروں کو ہلاک کرنے کی وجہ سے جو کہ وہ اپنی زندگی میں کرتے رہے کن کن جونوں میں جنم لینا پڑے گا۔ چونکہ ہندوؤں کے بیان میں کافی طور سے تناسخ کا ردّ ہو چکا ہے اس لئے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں اور اب ہم عملی حصے کو دیکھتے ہیں کہ کیا وہ ایسا حصہ ہے جو کہ انسانی فطرت کے مطابق ہے یا نہیں۔ سو پہلے تو ان کے طرزِ معاشرت پر نظر ڈالنے سے ہم کو نیوگ کا ایسا خوفناک مسئلہ نظر آتا ہے جس پر عمل کرنا ایک شریف آدمی کا کام نہیں۔ یہاں تک کہ خود آریہ صاحبان بھی اس سے کچھ پرہیز ہی کرتے ہیں ہاں بعض بعض حد سے بڑھے ہوئے اس کو بھی ایک خوبی ہی سمجھتے ہیں مگر یہ شاذ و نادر ہی ہیں اور شاذ کا عام میں دخل نہیں اس لئے ہم یہی کہیں گے کہ عام آریہ اس مسئلہ کے برخلاف ہیں۔ پھر جبکہ وہ خود اس پر عمل نہیں کرتے تو دوسرے مذاہب والے تو خواہ مخواہ اس سے نفرت ہی کریں گے۔ شاید بعض ناظرین اس مسئلہ کی حقیقت سے ناواقف ہوں اس لئے ہم ان کے علم کے لئے اس کی تشریح کر دیتے ہیں نیوگ آریہ سماج کا ایک مسئلہ ہے جس کی رو سے وہ مرد جس

کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو دو یا تین سال تک انتظار کر کے اپنی بیوی کو اولاد کی خاطر ایک اور مرد سے ہم بستر کرواتا ہے اور ایسے مرد سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بانٹ لی جاتی ہے اور اس طریقہ سے گیارہ لڑکوں تک حاصل کئے جاسکتے ہیں اور یہ کام ایک ہی مرد سے نہیں ہونا چاہیئے بلکہ پانچ چھ آدمیوں کے ذریعہ یہ تعداد پوری کروانی چاہیئے اور پھر اس عرصہ میں جبکہ ایک مرد دوسرے کی بیوی سے نیوگ کر رہا ہو اس بیوی والے شخص کو چاہیئے کہ عمدہ عمدہ غذاؤں سے نیوگ کرنے والے شخص کو تازہ کرے اور ہر طرح کی آسائش کے سامان اس کے لئے مہیا کرے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اس عقیدہ پر اگر عمل کیا جائے تو دنیا میں کیسی خوفناک تباہی آنے کا اندیشہ ہے بلکہ یقین ہے کیونکہ اول تو عورتیں خلقی طور پر باحیا اور شرمیلی بنائی گئی ہیں جب ان کو ایسے کام کے لئے کہا جائے گا تو ممکنات سے بعید نہیں کہ ان میں سے بعض بلکہ اکثر خودکشی کر کے مرجائیں جیسا کہ دنیا میں اس قسم کے موقعوں پر ہمیشہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور پھر اگر وہ مان بھی لیں تو آئے دن کے طعن و تشنیع سے وہ ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکیں گی جب ایک عورت کا خاوند مرجاتا ہے اور وہ دوسرا خاوند کرتی ہے تو اس وقت بھی عورتیں اس کو طعنے دیتی ہیں تو وہ جب ایک مرد کے زندہ ہوتے ہی اور کسی مرد سے صحبت کرے گی تو کیا کچھ اس پر اعتراض نہ آئے گا وہ خود اپنے دل میں کیسی شرمندہ ہوگی اور اپنے رشتہ داروں عزیزوں میں کس منہ سے بیٹھے گی درحقیقت آریہ سماج نے زناکاری کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کنچنیاں جو کہ بازاروں میں بیٹھ کر اپنے پیٹ پالنے کے لئے زنا کرواتی ہیں ان بیچاریوں کا پھر کیا قصور رہ گیا کہ ان کو برا کہا جائے اگر نیوگ درحقیقت جائز ہے تو ان کا کام کچھ اچھا ہی ہے کیونکہ وہ روزی کمانے کے واسطے ایسا کرتی ہیں اور اپنی عصمت کے بدلے کچھ پیسے لیتی ہیں اور اس طرح اپنی آخری زندگی کو تباہ کر کے اس دنیا کی زندگی کے لئے کچھ سامان مہیا کرتی ہیں۔ مگر نیوگ کرانے والی عورت تو نہ صرف اپنی پچھلی یعنی بعد از موت کی زندگی کو تباہ کرتی ہے۔ بلکہ اس دنیا کا سامان بھی ضائع کرتی ہے کیونکہ حکم ہے کہ نیوگی مرد کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور اس طرح اسے نیوگ کیلئے تازہ کرو۔ اب آریہ صاحبان خود مقابلہ کرلیں کہ ایک عورت تو دین ضائع کر کے دنیا کماتی ہے اور دوسری دین و دنیا ضائع کر کے سوائے ندامت اور رسوائی کے کچھ بھی حاصل نہیں کرتی ان دونوں میں سے کون سی مقابلۃً دوسری کے فائدہ میں ہے۔ پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ مرد کی غیرت کس طرح قبول کرے گی کہ اپنے ہوتے ہوئے وہ اپنی بیوی کو دوسرے مرد سے ہم بستر کروائے اور پھر ساتھ ہی اس کی خاطر بھی کرے۔ اس زمانہ میں کئی ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ

ایک مرد نے اپنی بیوی کو دوسرے سے بے حجاب باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر ہی اس کو قتل کر دیا اور جبکہ اتنی بات ہی انسان کی غیرت برداشت نہیں کر سکتی تو زنا کی حالت دیکھ کر وہ کب برداشت کر سکے گا۔ اور اسی حالت کو دیکھ کر ہماری مہربان گورنمنٹ نے بھی ایسے موقعوں کے لئے کچھ رعایت کر دی ہے اور ایسا آدمی جو کہ غیرت میں آکر کوئی خون کر بیٹھتا ہے اس کے لئے سزا میں بھی کچھ نرمی رکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ایسے موقع پر ایک قدرتی جوش پیدا ہو جاتا ہے اور انسان کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی اور مرد سے ہم بستر ہو۔ ایک عرصہ ہؤا کہ ایک مقدمہ اس قسم کا پیش ہؤا تھا جس میں ایک شخص پر اس لئے کاروائی چلائی گئی تھی کہ اس نے اپنی بیوی کو زنا کی حالت میں دیکھ کر قتل کر دیا تھا اور ماتحت عدالت نے اس کو سخت سزا کا حکم دیا مگر اپیل ہونے پر جج نے فیصلہ دیا کہ درحقیقت یہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ انسان غصہ کو برداشت نہیں کر سکتا میں اس کے لئے یہ سزا مناسب نہیں سمجھتا بلکہ اگر وہ عورت پہلی ضرب میں مرجاتی تو میں اس کو سزا قریباً نہ ہی دیتا مگر چونکہ کئی ضربات سے عورت مری ہے اس لئے میں کچھ سزا اس کو دیتا ہوں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ انسانی فطرت اس عقیدہ کے برخلاف ہے جیسا کہ گورنمنٹ کے قانون سے اور روزمرہ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے اور خود آریہ مت کے پیروان بھی اس نیوگ کے عقیدہ پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو پھر یہ عقیدہ عملی رنگ میں لانے کے لئے نہ معلوم پنڈت دیانند نے کیوں پیش کیا شاید اس میں کوئی خاص غرض ہو جس کو ہم نہ سمجھ سکتے ہوں ورنہ اور کوئی بات تو نظر نہیں آتی۔

اور جب مخلوقات عالم پر نظر کرتے ہیں تو سراسر اس عقیدہ کے برخلاف نظر آتا ہے انسانی فطرت اس کو برداشت نہیں کر سکتی عقل اس کو نہیں سمجھ سکتی اور یہاں تک کہ جانور تک اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک مرغا کچھ مرغیوں میں پھر رہا ہوتا ہے اس وقت اگر کوئی اور مرغا ان میں آکر داخل ہو جائے تو خواہ وہ کمزور ہی کیوں نہ ہو اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسی طرح کتا بھی جب اس کے سامنے کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے تو دوسرے کتے پر حملہ کرتا ہے۔ پس جب جانور تک اس بات کو برا مناتے ہیں تو انسانی فطرت اس کو کیونکر برداشت کر سکتی ہے یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا کہ اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا اس کو دنیا میں مشتہر کرنے سے آریہ مت نے دنیا پر زناکاری کا دروازہ کھول دیا ہے اور انسانوں کی اخلاقی حالت پر ایک سخت خوفناک حملہ کیا ہے اور چونکہ یہ ایک گندہ مسئلہ ہے اس لئے اس پر زیادہ لکھنا ہم مناسب نہیں سمجھتے اور ان کے ایک اور

عملی عقیدہ کو لیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہر باایمان آریہ کا فرض ہے کہ وہ مردہ کو جلاتے وقت صندل عود اور کستوری وغیرہ کو کام میں لائے اور یہی نہیں بلکہ ڈیڑھ من روغن زرد بھی جلا کر خاکستر کرے مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ عقیدہ ایسا ہے کہ جس پر عمل ہو سکے یا صرف ستیارتھ پرکاش کے صفحوں کو سیاہ کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کتنے آریہ اس پر عمل کر سکتے ہیں یا کرتے ہیں اور غریب آدمی اس پر کس طرح عمل کر سکتا ہے یا آریہ مت کے لحاظ سے غریب آریہ نہیں ہوتا اگرچہ پنڈت دیانند نے اس کے لئے جو کہ اتنی چیزوں کو مہیا نہ کر سکے قاعدہ تو مقرر کر دیا ہے اور ایک تجویز اس کو ایسی بتائی ہے جس سے وہ کامیاب ہو جائے مگر وہ اصل حکم سے بھی زیادہ مشکل ہے وہ یہ کہ ایسا شخص بھیک مانگے یا گورنمنٹ سے مدد چاہے مگر جب تک کہ وہ غریب جس کے ہاں موت ہو گئی ہے قریباً ڈیڑھ سو روپیہ مختلف شہر و دیار میں پھر کر اور پیسہ پیسہ اور کوڑی کوڑی جمع کر کے لائے گا لاش سڑے گی اور خاص کر طاعون کے دنوں میں کہ وبائی ہوا کی وجہ سے دوسری لاشیں بھی جلدی جلدی سڑ جاتی ہیں اور طاعون کے بیمار کی لاش تو چوبیس گھنٹہ کے اندر خراب ہو جاتی ہے پھر ایک لمبے عرصہ کی کوشش اور محنت کے بعد جو ایک شخص روپیہ جمع کر کے لایا بھی تو وہ کس کام آئے گا لاش تو پہلے ہی خاک ہو جائے گی اور دوسری تجویز جو کہ گورنمنٹ سے مانگنے کی لکھی ہے وہ بھی عجیب ہے کیونکہ اول تو ایک عرضی گورنمنٹ کی خدمت میں دیجاوے کہ مجھے فلاں فلاں چیزیں چاہئیں اور پھر وہاں سے منظوری ہو اور پھر روپیہ ملے اس صورت میں بھی لاش سڑ جائے گی اور تعفن اور سڑاندھ کی وجہ سے دو چار اور کو بھی ساتھ لے جائے گی جن کے لئے پھر بھیک مانگنی یا گورنمنٹ کے پاس امداد کیلئے درخواست کرنی پڑے گی اور دوسرے یہ کہ اگر گورنمنٹ ہر ایک لاش کے لئے دو دو سو روپیہ دینے لگی تو کام چل چکا جبکہ یہی آریہ صاحبان چیختے اور چلاتے ہیں کہ ٹیکسوں سے رعایا پس گئی ہے تو اس صورت میں نہیں معلوم اور کتنے ٹیکس لگانے پڑیں گے بلکہ پھر بھی خزانہ کو نقصان ہی ہو گا اور اگر ایسا گورنمنٹ منظور بھی کرے اور اس سے نقصان بھی نہ ہو تو کل کو سکھ اٹھیں گے کہ ہمارے مردے کے جلانے کے لئے پانچ سو روپیہ کی حاجت ہے اور پھر سناتن دھرم کہیں گے کہ ہمارے مردے کے جلانے کے لئے ہزار روپیہ کی حاجت ہے اور اس طرح گویا کہ گورنمنٹ کا کام مردہ جلانا ہی رہ جائے گا جو کہ اس کی شان سے بعید ہے اور پھر جنگوں کے موقعہ پر یہ قانون کس طرح چل سکے گا کیونکہ وہاں تو ایک گھنٹہ میں ہزاروں خون ہو جاتے ہیں اگر وہاں کستوری گھی عود اور صندل جلائیں گے تو لڑائی کے دوسرے اخراجات

سے زیادہ تو یہی خرچ پڑ جائے گا اور پھر اس وقت جبکہ سامان وغیرہ کا پہنچانا آگے ہی مشکل ہو جاتا ہے اور عود اور صندل کے طومار بھی جانے شروع ہو گئے تو لڑائی میں فتح پا چکے۔ غرضیکہ یہ ایسا ایک عقیدہ ہے جو عمل میں قطعاً نہیں آسکتا اور نامعلوم پنڈت دیانند نے ایسا عقیدہ بیان کرنے میں کیا مصلحت سوچی تھی۔

پھر ایک اور حکم ہے کہ چاہئے کہ ایک باایمان آریہ چار سو سال کی عمر پا کر مرے اور یہ ایک ایسا حکم ہے کہ جس پر خود پنڈت دیانند بھی عمل نہیں کر سکا اور چونکہ پنڈت دیانند نے اس کو ایمان کا معیار مقرر کیا ہے اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ خود ان کی کیا حالت ہو گی کیونکہ انہوں نے ایک پنچ آریہ کی عمر بھی نہیں پائی جس کی بابت خود انہوں نے لکھا ہے کہ دو سو سال کی ہونی چاہئے۔ پس جس تعلیم پر کہ خود معلّم عمل نہ کر سکے اس پر دوسرا کب عمل کر سکتا ہے اور اب تک اگر کوئی اور آریہ اس کا ثبوت دیتا تو ہم مان بھی لیتے کہ درحقیقت ایسا دنیا میں ہوتا ہے مگر جہاں تک تاریخ بتاتی ہے اس وقت تک ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا جس نے آریوں کے اصول پر عمل کر کے چار سو یا کم سے کم دو سو سال کی عمر بھی پائی ہو پس ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوائے زبانی جمع خرچ کے آریوں کے پاس اور کچھ نہیں ہے وہ مسائل جن پر صرف ایمان لانے کی ضرورت ہے مثلاً روح اور مادہ کا خدا کی طرح ازلی ہونا اور تناسخ وہ تو ایسے لغو ہیں کہ دہریہ میں اور آریوں میں کوئی فرق نہیں رہتا اور مسائل جن پر عمل کرنے کا آریوں کو حکم دیا گیا ہے ایسے بودے ہیں اور ان پر عمل کرنا اس قدر مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ خود آریہ مت کا بانی اور اس کے چیلے بھی اس پر عمل نہیں کر سکے جیسا کہ نیوگ اور مردہ کے جلانے کے قواعد اور پھر چار سو سال کی عمر کا پانا غرضیکہ یہ مذہب سر سے پیر تک ایسی ہی باتوں سے بھرا ہؤا ہے اور نامعلوم ان لوگوں میں باوجود اس قدر نقائص ہونے کے دوسرے مذاہب پر حملہ کرنے کی جرأت کیونکر پیدا ہوئی اور خاص کر اسلام جیسے پاک اور مقدس مذہب پر بے بنیاد تہمتیں لگانے کا خیال ان کے دلوں میں کیونکر سمایا۔ حالانکہ ان کو چاہئے تھا کہ خود اپنے مذہب میں اس قدر نقائص اور غلطیاں دیکھ کر کسی اور مذہب کی طرف رجوع کرتے اور جس طرح ہو تا کوشش اور سعی سے آخر اس بات کو دریافت کر لیتے کہ کونسا مذہب سچا ہے اور اس صورت میں امید قوی تھی کہ خدا تعالیٰ جو کہ رحیم و کریم ہے آخر ان لوگوں کو ہدایت دیتا اور گمراہی سے بچاتا اور اس اندھیرے سے جس میں کہ یہ کھڑے ہوئے سرگردان و پریشان ہو رہے ہیں نکال کر کسی روشن جگہ کھڑا کرتا یا کم سے کم اگر ان لوگوں میں اس قدر ہمت اور

دلیری نہ تھی کہ یہ سچا مذہب اختیار کرتے تو خود ہی خاموش بیٹھتے اور بلا وجہ لوگوں کا دل نہ دکھاتے اور بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام پر تہمتیں نہ لگاتے اور گالیوں سے باز رہتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور شوخی کا پہلو اختیار کیا اور حلم اور انکسار کو چھوڑ دیا غالباً انہوں نے کسی آئندہ حساب کتاب کا گمان نہیں کیا بلکہ سوچا کہ جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ان کے عقیدوں سے پایا جاتا ہے گالیاں دینا اور بزرگوں کو بری طرح یاد کرنا تو ان کے خمیر میں ہے یہاں تک کہ ان کے بعض پرجوش ممبروں نے ایسی کتابیں لکھی ہیں کہ جن سے سوائے حق پوشی اور مسلمانوں کا دل دکھانے کے اور کوئی مطلب نہیں اور ان کتابوں میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو ایسے سخت الفاظ سے یاد کیا گیا ہے کہ سن کر بھی دل کباب ہو جاتا اور معاً خیال آتا ہے کہ مہ نور می فشاند وسگ بانگ می زند- اور دل میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو دنداں شکن جواب دیا جائے- اور ان کے گندے اور ناقابل عمل عقائد کو خوب کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا جائے اور پھر ان سے پوچھا جائے کہ کیا یہ تعلیم ایسی ہے کہ اس پر کوئی شریف آدمی عمل کر سکے؟ مگر پھر خیال آتا ہے کہ اس تعلیم کو اچھی طرح سے کھول کر رکھ دینا بھی ایک سخت مشکل کام ہے اس لئے نہیں کہ وہ ایک مضبوط دیوار میں ہے اور اس پر حملہ کرنا دشوار ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اس قدر گندی اور فحش ہے کہ دنیا اس کو حیا کے مارے دیکھ نہیں سکے گی اور شریف آدمی اس کو پڑھ کر غیرت سے کانپ اٹھے گا- کہ کیا یہ تعلیم ہے جو کہ آریہ صاحبان دنیا میں پھیلاتے ہیں اور جس کو یہ لوگ عالمگیر اصول قرار دیتے ہیں اس لئے ہم نے دو تین باتیں ان کی بیان کر دی ہیں تاکہ یہ خیال نہ کریں کہ ہمارے مذہب کے قلعہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا اور خدا کے فضل سے ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آریوں کا خدا اس قابل نہیں کہ اس سے کوئی طالب حق محبت کر سکے نہ تو اس نے ہم کو پیدا کیا ہے اور نہ ہم کو مٹا سکتا ہے اور نہ وہ رحیم ہے اور نہ ہی وہ ہم کو نجات دے سکتا ہے پس اس میں کسی قسم کا بھی حسن نہیں جس کی وجہ سے ہم اس سے محبت کریں- تعلیم وہ ہے جو کہ ناقابل عملدرآمد ہے عقیدہ وہ ہے کہ انسان جس کو ایک منٹ کیلئے بھی اپنے ذہن میں نہیں رکھ سکتا اور خود اس تعلیم پر چلنے والوں اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں کا نمونہ اس قدر برا ہے کہ رہی سہی امید بھی منقطع ہو جاتی ہے- اس لئے ہم اسلام پر ایک مختصر نظر ڈالتے ہیں کہ کیا یہ مذہب بھی باقی تمام مذہبوں کی طرح انسانی دست برد کے نیچے آچکا ہے یا نہیں اور کیا اس میں بھی ایسی ہی کمزوریاں ہیں، جن پر کہ دشمن کے ہاتھ پڑ سکتے ہیں مگر اس سے پہلے کہ میں اسلام کی دوسری باتوں پر نظر ڈالوں اتنا

کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام نے جو دوسرے مذاہب کی نسبت اپنی رائے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام ملکوں اور قوموں کے لئے انہیں کے حالات کے مطابق رسول بھیجے اور ان کو ہدایت کی اور وہ باتیں بتائیں جن سے کہ وہ اس کو یعنی خدا کو پالیں اور یہ کہ خدا کی سنّت رہی ہے اور اس نے ہر زمانہ میں انسانوں کے لئے ایک ایسی تعلیم مقرر کی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے عادات و اطوار کو خدا کے منشاء کے مطابق کریں اور جب ایک قوم نے بوجہ کسل سستی اور عیش و آرام کے زیادہ ہو جانے کے خدا تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی تو اس نے پھر دوبارہ ایسے نبی مقرر کئے جو کہ بندوں کی اصلاح کریں اور ان کو پھر اپنے اصل مقام پر لا کھڑا کریں اور اسلام ہم کو بتاتا ہے کہ کسی قوم پر تب تک عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا جب تک کہ ان میں رسول نہ پیدا کیا جائے جو کہ ان پر خدا کی حجت کو قائم کرے اور جب تک کہ وہ دلائل عقلی نقلی سے اور معجزات اور الہامات الٰہی سے ان پر ان کی غلطیوں کو ثابت نہ کردے اور خدا سے ملنے کی راہ کو ان پر آشکار نہ کر دے لوگ مستوجب سزا نہیں ہوتے۔

اسلام ہم کو بتاتا ہے کہ مجھ سے پہلے بہت سے اور مذہب گذرے ہیں جو کہ خدا کی طرف سے ہوئے ہیں اور جو مختلف قوموں اور زمانوں کے لئے رہنما تھے اور اسی وجہ سے ہمارا ایمان ہے کہ عیسائی یہود اور ہنود وغیرہ مذاہب اصل میں سچے تھے اور امتداد زمانہ سے مسخ ہو کر ان کی شکلیں بدل گئیں اور یہ قرآن شریف کے شروع ہی میں سورۃ الحمد سے بھی ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ سب تعریفیں ہیں اس کے لئے جو کہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ رب کے کیا معنی ہیں رب کے معنی ہیں وہ ذات جو کہ ایک چھوٹی چیز کو رفتہ رفتہ نشوونما دے کر بڑا کرے اور یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ وہ ایک نطفہ سے انسان بناتا ہے اور رفتہ رفتہ انسان کی حالت اور عمر کے لحاظ سے سامان مہیا کر کے اس کو ترقی بخشتا ہے یا ایک دانہ کو جب کہ وہ زمین کے اندر پڑا ہوتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ انسان کے پیروں تلے کچلا جا کر تباہ نہ ہو جائے یا کسی جانور کی خوراک نہ بنے اگاتا ہے اور جب ذرا سی سبزی دانہ کے باہر نکلتی ہے اس وقت بھی وہ نازک ہوتا ہے اور اس کے ٹوٹنے یا تباہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ وہاں سے بھی اس کو بچاتا ہے اور اسکو غذا دے کر اور بھی بڑا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بڑا ہوتے ہوتے آخر خود دانے نکالتا ہے اور کئی بالیں اس میں نکلتی ہیں جن میں کہ سینکڑوں دانے ہوتے ہیں۔ غرضیکہ ہر ایک چیز کی ربوبیت کر کے اور اس کے مناسب حال غذا دے کر خدا تعالیٰ بڑا کرتا ہے اور اسی لئے اس کا نام

رب ہے پس اس آیت شریفہ میں ہے کہ سب تعریفیں اس کے لئے جو کہ سب جہانوں کا رب ہے۔ اب ربوبیت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو ربوبیت جسمانی اور ایک روحانی۔ کیونکہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک نفس سے جس کو عوام الناس روح کہتے ہیں اور اس لئے روح کے نام سے ہی مشہور ہے لیکن قرآن شریف روح کے معنے کلام کرتا ہے اور دوسری چیز جس سے کہ انسان مرکب ہے وہ جسم ہے پس ان دونوں کے لئے مختلف قسم کی ربوبیت کی ضرورت ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ایک قسم کی ربوبیت کرتا ہے اور ہر ایک کی کرتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے صرف اس موجودہ مذہب اسلام سے ہی دنیا کی ربوبیت نہیں کی بلکہ روحانی ربوبیت اس سے پہلے بھی وہ کرتا رہا ہے اور مختلف قوموں اور ملکوں میں اس کی طرف سے روحانی طبیب مقرر ہوتے رہے ہیں۔ اس جگہ موجودہ مذہب اسلام کا لفظ جو کہ میں نے استعمال کیا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ ایک اسلام تو یہ ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ دنیا پر ظاہر ہوا مگر اس سے پہلے جو مذہب ہوتے رہے ہیں وہ بھی اسلام کے مطابق ہی تھے اور خدا تعالیٰ نے ان کا نام بھی اسلام ہی رکھا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ مکمل نہیں تھے اور موجودہ مذہب اسلام ہر پہلو سے مکمل ہے۔ غرضیکہ ربوبیت تو خدا پہلے بھی کرتا تھا مگر اس وقت یہ فرق تھا کہ وہ خاص فرقوں اور خاص ملکوں اور مقررہ وقتوں کے لئے ہوتی تھی اور وہ قواعد روحانی ربوبیت کے جو کہ خدا تعالیٰ نے مقرر کئے تھے وہ ایک مدت کے بعد کچھ تو لوگ بگاڑ دیتے تھے اور کچھ زمانہ کی حالت کی وجہ سے بدلا دیئے جاتے تھے۔ اور اسی لئے ہمارا مذہب ہے کہ یہ تمام قومیں جو اس وقت ایسی گمراہی میں پڑ رہی ہیں کسی وقت خدا کے کلام سے مستفیض ہو چکی ہیں اور بوجہ سستی اور غفلت کے جو کہ انہوں نے خدا کے حکم سے ظاہر کی یہ اس سے دور جا پڑیں اور اس درخت کی طرح ہو گئیں جو کہ پانی سے دور ہو اور کچھ عرصہ کے بعد بالکل سوکھ جائے اور یہ کل مذاہب کے برخلاف عقیدہ ہے یعنی ہندو عیسائی یہود اور آریہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ سوائے ان کے کسی اور کو ہدایت ہوئی اور ان کے خیال میں ان کے اپنے بزرگوں کے سوا کسی کو کلام الٰہی سے حصہ نہیں ملا حالانکہ یہ صریح ظلم ہے اور زیادتی ہے کہ ایک کو تو خوب سیر کیا جائے اور دوسرا خواہ بھوک اور پیاس کے مارے تباہ ہو جائے روٹی کے ایک لقمے یا پانی کے ایک گھونٹ سے بھی محروم رکھا جائے اور چونکہ ہم اس کو ہندوؤں اور یہودیوں کے حصے میں اچھی طرح لکھ آئے ہیں اس لئے یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں غرضیکہ وہ ظلم جو کہ اور مذاہب نے جائز رکھا ہے اس کو اسلام نے مٹا دیا ہے اور وہ ظاہر کرتا ہے کہ تمام دنیا

میں جہاں کہیں انسانی نسل رہتی ہے خدا نے اپنی طرف رہنمائی کرنے کے لئے سامان مہیا کر دیا ہے اور اپنے بندوں کی کمزوری پر ہر جگہ رحم کیا ہے اور یہ بات عقل کے بر خلاف ہے کہ خدا نے جسمانی ربوبیت کا سامان تو تمام دنیا کے لئے مہیا کر دیا لیکن روحانی ربوبیت کا خیال بالکل ہی نہیں کیا اور سوائے ایک قوم کے سب کو اس سے محروم رکھا اور اسی لئے خدا تعالیٰ اپنے کلام کے شروع ہی میں اس بات کی تردید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں ہر قسم کی ربوبیت ہر جہان کے لوگوں کی کرتا ہوں اور یہ جو افتراء باندھا گیا ہے کہ میں کسی اور کی ربوبیت نہیں کرتا بلکہ صرف ایک قوم کا ہی متکفل ہوں بالکل غلط ہے بلکہ میں تو تمام جہانوں کا ربوبیت کرنے والا ہوں اب خواہ وہ ربوبیت جسمانی ہو اور خواہ روحانی۔ اس جگہ مخالف ایک اعتراض کر سکتا ہے کہ جب اسلام نے بھی نجات اسلام پر ہی منحصر رکھی ہے تو ربوبیت تمام جہان کی کہاں گئی مگر اس کا جواب صاف ہے کہ گو خدا تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اسلام پر ہی نجات کا دارومدار رکھا ہے مگر پھر بھی یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا کیونکہ خدا نے شریعت کا دروازہ بند کیا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ شریعت کامل ہو گئی ہے ورنہ الہام الٰہی کا دروازہ تو بالکل کھلا ہے اور جو شخص کہ جائز طریقہ سے اس کا فائدہ اٹھانا چاہے اٹھا سکتا ہے یعنی اسلام میں داخل ہو کر اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع کر کے ایک شخص خدا تعالیٰ سے مکالمہ و مخاطبہ کر سکتا ہے حالانکہ دوسرے مذاہب کا خیال ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو کہ ان کے آباء واجداد تھے اور کسی کو یہ درجہ نصیب نہیں ہؤا۔ پس ان میں تو ربوبیت کا دروازہ غیر مذاہب والوں پر بلکہ خود ان پر بھی بند ہے اور اسلام میں یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے اور اب بھی ہم میں ایک ایسا شخص موجود ہے جس سے کہ خدا کلام کرتا ہے اور اپنی پاک آواز اس کو سناتا ہے اور اس کے سبب سے اور لوگ بھی اس کے غلاموں میں سے ایسے موجود ہیں جو کہ الہام الٰہی سے مستفیض ہیں اور اس کے کلام کی سچائی آتھم کی وجہ سے عیسائیوں اور یہودیوں پر اور لیکھرام کی وجہ سے آریوں اور سناتنیوں پر ثابت ہے اور اب اگر وہ نہ مانیں تو اس میں نہ تو اس خدا کے مامور کا کچھ قصور ہے اور نہ خدا کا ہی ظلم ہے ان پر حجتیں قائم ہو چکی ہیں اور عذاب الٰہی کا دروازہ کھل رہا ہے اور کھلنے والا ہے چونکہ اس جگہ میں نے آتھم اور لیکھرام کا نام لیا ہے اس لئے اس کی بابت کچھ لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ آتھم ایک عیسائی تھا جس کی سرشت میں گالیاں دینا اور مسلمانوں کا دل دکھانا بھرا ہؤا تھا اور اس نے ایک موقع پر نعوذ باللہ دجال کا لفظ نبی کریم ﷺ کے لئے استعمال کیا جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو مباہلہ کے لئے بلایا اور اس کے لئے پیشگوئی کی کہ اگر رجوع

الی الحق نہ کیا تو تجھ پر خدا کا عذاب نازل ہو گا اور تو پندرہ ماہ کے اندر اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا اس لئے کہ تو نے نبی کریم ﷺ کے لئے دجال کا لفظ استعمال کیا ہے مگر اس نے یہ سنتے ہی اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا اور اس لفظ کے کہنے سے مکر گیا اور پیشگوئی کا رعب اس کے دل پر ایسا پڑا کہ وہ اس عرصہ میں بھاگتا پھرا اور اپنے دوستوں کو کہتا تھا کہ مجھ پر تین دفعہ حملہ کیا گیا ہے ایک دفعہ تو ایک پڑھے ہوئے سانپ نے مجھ پر حملہ کیا اور دو دفعہ مسلح سپاہیوں نے۔ مگر ناظرین پڑھے ہوئے سانپ کی حقیقت خوب سمجھ سکتے ہیں اور گورنمنٹ انگریزی کی عملداری میں مسلح آدمیوں کا حملہ کرنا بھی سمجھ میں آسکتا ہے جبکہ ہتھیار رکھنے کی قطعاً ممانعت ہے اور پھر دن کے وقت اور لدھیانہ جیسے شہر میں جہاں کہ اس کا داماد ایک معزز عہدہ پر نوکر تھا۔ پس یہ باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ وہ پیشگوئی سے اس قدر خائف تھا کہ اس کی قوت متخیّلہ نے اس کے سامنے ایسے نظارے پیش کئے اور یہی اس کے ڈرنے کی علامات تھیں جس کی وجہ سے وہ میعاد کے اندر مرنے سے بچ گیا مگر چونکہ اس نے میعاد کے بعد یہ تہمتیں لگائیں کہ مجھ پر حملے کئے گئے اور مجھ کو مارنے کی فکر کی گئی اور حق کو چھپانا چاہا اس لئے اس کو قسم کے لئے بلایا گیا اور کہا گیا کہ اگر تو اپنے دل میں خائف نہیں ہؤا اور پیشگوئی کا رعب تیرے دل پر نہیں چھا رہا تھا تو آکر قسم کھا جا جس کے جواب میں عیسائیوں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں قسم کھانا منع ہے حالانکہ پولوس رسول نے قسم کھائی ہے اور یہ صرف ایک ڈھکوسلا تھا اور اس کی سزا میں یہ ہؤا کہ آتھم پھر پندرہ مہینے کی میعاد میں مر گیا اور اس سے پہلے یہ اعلان ہو چکا تھا کہ چونکہ اس نے حق پوشی کی ہے اس لئے یہ اب بھی سزا سے بچ نہیں سکتا اور یہ صاف بات ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرتا اور دل میں خائف نہ ہوتا جیسا کہ خود اس نے روتے ہوئے اپنے دوستوں کے سامنے اس کا اقرار کیا تو پیشگوئی ایک طرح سے لغو ہو جاتی کیونکہ خدا نے یہ شرط کیوں لگادی جبکہ اس نے توبہ ہی نہیں کرنی تھی تو چاہئے تھا کہ خدا صاف ظاہر کرتا کہ اس میعاد میں یہ مر جائے گا مگر چونکہ اس نے خائف ہونا تھا اس لئے یہ شرط لگائی گئی اور اس طرح دو پیشگوئیاں پوری ہوئیں ایک تو وہ خائف ہؤا اور دوسرے جلدی مر بھی گیا جیسا کہ اعلان کیا گیا تھا کہ یہ اگر قسم نہ کھائے گا تو سزا پائے گا اور اس طرح اس کی موت سے نہ صرف عیسائیوں پر ہی حجت پوری ہوئی بلکہ یہودیوں پر بھی کیونکہ ان کا اصل ایک ہی ہے اور دونوں ایک ہی شریعت پر عملدرآمد کرنے والے اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں گو عمل نہ کریں۔ اب میں دوسری پیشگوئی کا بیان کرتا ہوں یعنی وہ جو لیکھرام کی نسبت کی گئی تھی یہ پیشگوئی اس طرح ہوئی کہ لیکھرام جو کہ آریوں کا ایک زبردست چلتا پرزہ تھا

جب اسلام کو برا بھلا کہنے میں حد سے زیادہ گذر گیا اور نبی کریم ﷺ کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کرنے لگا- تو اس وقت مخالفت کے جوش میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی کہا کہ اگر تمہارا خدا سچا ہے اور تم کو اپنے کلام سے مستفیض کرتا ہے تو میری نسبت کوئی عذاب کی پیشگوئی کرو اور چونکہ اس شخص کے کلام سے اور تحریر سے مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ ہؤا تھا اور ان کے جگر اس کے جھوٹے دعووں اور نبی کریم ﷺ کو گالیاں دینے سے چھد گئے تھے اور کمزور اعتقاد کے مسلمان قریب تھا کہ ڈگمگا جائیں کیونکہ ان کو اپنے دین سے اس قدر واقفیت نہیں تھی کہ مخالف کو اعتراض کا جواب دے سکیں اور اس شخص نے اسلام کی خوبیوں کو برائی کے رنگ میں رنگین کرکے ایسے الفاظ میں پیش کیا کہ وہ حیران ہو گئے اور سوائے خاموشی کے کچھ جواب نہ دے سکے اور اس لئے ضروری ہؤا کہ اس کے باطل دعووں کو لوگوں پر کھول دیا جاوے اور اس کی لاف وگزاف کو ظاہر کر دیا جائے اور اسی لئے حضرت مسیح موعودؑ نے خدا سے دعا کی اور وہاں سے یہ جواب ملا کہ چھ برس کے اندر عید کے دوسرے دن یہ شخص قتل کیا جائے گا چنانچہ پیشگوئی عام طور پر شائع کی گئی اور چونکہ لیکھرام شرارت میں حد سے زیادہ گزر راہؤا تھا اس لئے اس کے واسطے توبہ کا دروازہ بند تھا اور کوئی شرط اس پیشگوئی میں نہ تھی اور قطعی فیصلہ تھا کہ چھ برس کے اندر عید کے دوسرے دن یہ شخص قتل کیا جائے گا اور اس نے بھی اس کو ایک بناوٹی بات سمجھ کر ایک پیشگوئی شائع کی کہ مرزا صاحب تین برس کے اندر مر جائیں گے مگر اس نے تو دیکھ لیا کہ وہ پیشگوئی غلط ہوئی اور دنیا گواہ ہے کہ بجائے مرزا صاحب کے فوت ہونے کے وہ اب تک زندہ ہیں اور ایک بڑی جماعت ان کے ماتحت ہو گئی ہے جس کی تعداد کئی لاکھ تک پہنچ گئی ہے مگر اس بات کی تمام دنیا گواہ ہے کہ اس پیشگوئی کے پانچویں سال جبکہ ایک ہی سال پیشگوئی میں باقی رہ گیا تھا عید کے دوسرے دن عصر کے وقت وہ قتل کیا گیا اور قاتل کا اب تک پتہ نہیں لگا کہ وہ کون تھا حالانکہ اس کے مکان کے اردگرد ایک شادی ہو رہی تھی اور دروازہ پر بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے اور پھر وہ قاتل اپنا چھرا اور تہبند بھی وہیں چھوڑ گیا اور ان قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی فرشتہ تھا تمام ہندوستان چھان مارا گیا- بڑے بڑے مسلمانوں کی تلاشیاں لی گئیں مگر قتل کا سراغ نہ ملنا تھا نہ ملا- بعض بے درد دشمنان اسلام نے مسلمان بچوں کو زہر آلودہ مٹھائیاں کھلا کر مار ڈالا یہاں تک کہ بیسیوں بچے ملک پنجاب میں اس طرح بیدردی سے ہلاک کئے گئے کہ الامان- مگر پنڈت لیکھرام کے خون کا جو دھبہ آریہ سماج اور کل وید کے پیروان کے دامن پر لگا وہ نہ اب تک مٹا ہے اور نہ آئندہ

مٹے گا۔گو پنڈت لیکھرام کا خون آریوں میں ایک جوش پیدا کر گیا لیکن ساتھ ہی ثابت کر گیا کہ اسلام خدا کی طرف سے ہے اور آریہ سماج اور دوسرے ویدک مذاہب محض باطل فروشی کر رہے ہیں اور یہ بھی ثابت کر گیا کہ خدا کا کلام اب بھی اپنے نیک بندوں پر نازل ہوتا ہے اور اس کی ربوبیت اب بھی اسلام میں عام ہے۔

اب میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہ عقیدہ جو اور مذاہب کا ہے کہ سوائے ہماری قوم کے چند افراد کے اور کسی کو الہام نہیں ہؤا اور وہ بھی اب آئندہ کے لئے بند ہے بالکل غلط ہے اور اسلام میں اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور اس کا ثبوت آج کل کے زمانہ میں بھی موجود ہے جیسا کہ لیکھرام کی اور آتھم کی موت اور یہی ایک خوبی اسلام کی سچائی کی کافی دلیل ہے اور آئندہ اور بحث کی ضرورت نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ حتی الوسع وہ اعتراضات جو غیر قوموں پر پڑتے ہیں (وہ جو کہ میں پیچھے ذکر کر آیا ہوں) ان سے اسلام کو پاک ثابت کر کے دکھلاؤں اور یہ بتلاؤں کہ اسلام تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔

اب میں تناسخ کے مسئلہ کو لیتا ہوں جس کو میں ثابت کر آیا ہوں کہ ایک لغو مسئلہ ہے اور انصاف کے برخلاف ہے اس مسئلہ کی اسلام نے سخت تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے نہیں مگر اس کے ساتھ ہی اسلام ہم کو ایک اور تناسخ بتاتا ہے جو کہ ایسا خوبصورت ہے کہ نہ تو وہ انسانی فطرت کے برخلاف ہے اور نہ ظلم کے لفظ کا اس پر اطلاق ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اسلام نے انسان کے لئے تین جونیں بھگتنی مقرر کی ہیں یعنی انسانی حالت کے تین درجہ مقرر کئے ہیں ایک تو نفس امارہ پھر نفس لوامہ اور تیسرے نفس مطمئنہ یہ تین حالتیں ہیں جن میں سے کہ انسان کو گزرنا پڑتا ہے نفس امارہ تو وہ انسانی حالت ہے جبکہ انسان گناہ کرتا ہے اور برائیوں میں گھرا ہؤا ہوتا ہے اور نفس لوامہ وہ حالت ہے جبکہ انسان اس درجہ تک ترقی کر جاتا ہے کہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو ساتھ ہی اس کے پھر اس گناہ سے پچھتاتا بھی ہے اور نفس مطمئنہ وہ انسانی حالت ہے جبکہ ایک انسان گناہوں کے دائرہ سے نکل کر حالت اطمینان میں ہو جاتا ہے اور اس کو شیطانی حملوں اور برے خیالات سے نجات مل جاتی ہے یہ تین حالتیں ہیں جو کہ انسان پر وارد ہوتی ہیں میرا خیال ہے کہ شاید اس مسئلہ سے ملتا جلتا کوئی مسئلہ ہوگا جس سے بگڑ کر یہ تناسخ کا مسئلہ نکل آیا اگرچہ ایسا لطیف اور پر معنی ارشاد سوائے اسلام کے اور کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا مگر شاید کوئی اس عقیدہ سے ملتا جلتا عقیدہ ان مذہبوں میں بھی ہو۔ میں یہ نہیں مان سکتا کہ بالکل یہ عقیدہ ان لوگوں میں ہوگا کیونکہ

اگر یہ ہوتا تو کبھی ان لوگوں کو یہ غلطی نہ پڑتی اور یہ لوگ کبھی بھی تناسخ کے قائل نہ ہوتے کیونکہ یہ بالکل سیدھا اور سادہ ہے اور پھر انسانی فطرت کے مطابق ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پہلے مذہب بھی ناقص تھے اور کامل نہ تھے اس لئے اچھی طرح سے ان میں یہ عقیدہ بیان نہیں کیا گیا اور کسی دھوکے کی وجہ سے ہندو وغیرہ تناسخ کے قائل ہو گئے اور میرے اس خیال کی تائید بدھ کا یہ عقیدہ بھی کرتا ہے کہ انسانوں کے چار درجہ ہیں ایک تو وہ جس میں کہ انسان بار بار تناسخ کے پھیر میں آتا ہے اور دوسرا وہ جس میں کہ انسان صرف ایک دفعہ جون کے چکر میں آتا ہے اور تیسرا وہ جس میں ہو کر انسان کبھی نہیں لوٹتا اور چوتھا تیسرے کا کمال ہے یعنی بہت سے پاک لوگوں کا درجہ ☆ اور یہ عقیدہ ظاہر کرتا ہے کہ ان لوگوں میں بھی کچھ ایسی بات تھی جس کو کہ یہ تعلیم کے ناقص ہونے کی وجہ سے اچھی طرح ظاہر نہیں کر سکے اور آخر اسلام نے جو کہ کامل مذہب ہے اس کو انسان پر کھول دیا۔اور اس محبت کے تعلق کو جو کہ وہ خدا سے رکھتا تھا اس عقیدہ سے اور بھی بڑھا دیا۔

بدھ کے اس مذکورہ بالا عقیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں تناسخ سے مراد وہ جونوں کا چکر نہیں جس کے یہ لوگ قائل ہیں کیونکہ جب ایک درجہ ایسا بھی رکھا گیا ہے جس درجہ کا انسان دوبارہ دنیا میں ایک دفعہ ہی آتا ہے تو معلوم ہؤا کہ وہ دوبارہ آنا روحانی ہے یا بالفاظ دیگر حالت کے تغیر کا نام ہے کیونکہ اگر درحقیقت انسان دنیا میں دوبارہ آئے تو پھر گناہ کرے گا کیونکہ اس کو معلوم تو ہے ہی نہیں کہ میں دنیا میں کس گناہ کی سزا میں آیا ہوں پس پھر وہ جونوں کے چکر میں آجائے گا مگر اس عقیدہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک دفعہ آئے گا زیادہ دفعہ نہیں پس یہ جسمانی تغیر نہیں بلکہ روحانی تغیر ہے یعنی جب اس درجہ پر انسان پہنچ جاتا ہے تو صرف اس کو ایک جون بدلنی پڑتی ہے اور وہ نفس لوامہ کو چھوڑ کر نفس مطمئنہ کو اختیار کرتا ہے مگر صفائی کے ساتھ اور دلائل کے ساتھ اگر بیان کیا ہے تو صرف اسلام نے ہی بیان کیا اور اسلام کو ہی فخر ہے اس بات کا کہ اس نے یہ راز انسانی مدارج کا دنیا پر ظاہر کیا اور وہ علم و معرفت اس عقیدہ میں بھر دی جس سے کہ دوسرے مذاہب بالکل کورے تھے اور ان میں اس قدر کمال ہی نہ تھا کہ وہ اس کو دنیا پر ظاہر کر سکیں اور پھر یہ بھی تحقیقاً نہیں کہ آیا اس کے قریب قریب کوئی عقیدہ بھی ان میں تھا کہ نہیں کیونکہ اس پر کوئی تاریخی شہادت نہیں صرف میرا ایسا خیال ہے کہ بدھ کا تناسخ کے متعلق عقیدہ شاید اس کے

☆ بدھ نے ایک اشٹانگ مارگ مقرر کیا ہے۔اس کے معنے ہیں کہ آٹھ قسم کی ریاضت روحانی و جسمانی اور یہ عقیدہ اسی اشٹانگ مارگ سے نکلتا ہے۔

قریب قریب ہو اور بوجہ تعلیم کے ناقص ہونے کے وہ دوسرے الفاظ اور دوسرے معنوں میں استعمال کیا گیا ہو جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ بہر حال اسلام نے اس عقیدہ کو ایسے طریق اور ایسے روشن پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

اب میں اپنے اصل مطلب کی طرف لوٹتا ہوں اور وہ یہ کہ اسلام نے ہم کو ایسے عقیدہ کے متعلق رہنمائی کی ہے جس سے کہ انسان بہت کچھ روحانی ترقی کر سکتا ہے اور وہ کمزوریاں اور نقائص جو کہ انسان میں بوجہ اس کے طبعی خاصہ کے ہوتے ہیں اس عقیدہ پر ایمان لانے اور اس کے معارف پر غور کرنے سے خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ میں اس مسئلہ کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ ہمارے امام و مرشد نے جلسہ مہوتسو کے موقعہ پر ایک لیکچر تحریر کیا تھا اس میں خوب اچھی طرح اور واضح طور سے اس مسئلہ کو حل کیا تھا اور ثابت کیا تھا کہ یہ مسئلہ سوائے اسلام کے اور کسی نے اس طرح نہیں بیان کیا کہ جس سے انسان ہدایت پا سکے اس لئے جو صاحب اس کی نسبت مفصل علم حاصل کرنا چاہیں وہ اس لیکچر کو پڑھیں۔

اب میں خدا تعالیٰ کے متعلق اسلام کا عقیدہ بیان کرتا ہوں۔ دیکھنا چاہئے کہ دنیا کا جو مذہب ہے (بشرطیکہ وہ خدا کا قائل ہو) اگرچہ خدا کے کتنے ہی شریک ٹھہراتا ہو مگر آخر توحید کا قائل ہوتا ہے اور کسی نہ کسی طرح آخری نقطہ پر پہنچ کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ خدا ایک ہے اس وقت کے مشہور مذاہب کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں ان میں سے عیسائیت توحید کی سخت دشمن ہے مگر اس میں بھی یہ عقیدہ ہے کہ باپ بیٹا روح القدس تین خدا ہیں مگر نہیں تین نہیں ایک خدا ہے اور اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ انہوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی ان کو فطرت کے تقاضا سے مجبور ہو کر کوئی ایسا طریق ایجاد کرنا پڑا ہے جس سے توحید میں خلل نہ آئے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو بھی باوجود کروڑوں بت ماننے کے اپنے آپ کو ایک ہی خدا کا قائل بتاتے ہیں اور یہودی اور آریہ بھی توحید کے عقیدہ پر ہی زور دیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کا عقیدہ انسان کی فطرت کے موافق ہے اور گو کہ امتداد زمانہ سے کسی مذہب میں کتنا ہی شرک ترقی کر جائے مگر پھر بھی اس کے پیرو توحید کو نہیں چھوڑتے اور ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں کہ توحید ہی درحقیقت سچ ہے اور وہ لوگ جو شرک کرتے ہیں غلطی پر ہیں اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے اسلام کے توحید پر کسی نے زور نہیں دیا اور نہ کسی مذہب نے توحید کا ثبوت دیا ہے۔ عیسائی اگر ایک طرف توحید کے قائل ہیں تو ساتھ ہی تثلیث پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہودیوں نے اگرچہ توحید میں کوئی خرابی نہیں پیدا کی

لیکن انہوں نے شرک کی بیخ کنی بھی نہیں کی اور نہ ہی توحید پر زور دیا۔

ہندو توحید کو ماننے کے ساتھ ساتھ بت پرستی بھی لازم قرار دیتے ہیں اور آریہ جو کہ توحید پر اپنا پورا یقین بتاتے ہیں۔ روح اور مادہ کو ازلی مان کر عملی طور سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ فخر صرف اسلام کو ہی ہے کہ وہ خدا کا شریک کسی کو نہیں ٹھہراتا اور شرک کی بیخ کنی کرتے ہوئے توحید پر زور دیتا ہے ہاں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کہ عملی طور سے توحید کو قائم کرتا بت پرستی سے باز رکھتا اور خدا کی طرح کسی کو ازلی ابدی نہیں قرار دیتا۔ اگرچہ تمام مذاہب نے توحید کو چھوڑ دیا لیکن اسلام کے خدا نے ہر ایک مسلمان کے دل میں اس عقیدہ کو اس طرح داخل کر دیا ہے کہ وہ نکل ہی نہیں سکتا خود خدا تعالیٰ کا نام ہی اسلام میں وہ رکھا گیا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ وہ نام اللہ ہے یعنی تمام نیک صفات خوبیوں اور طاقتوں کا مجموعہ اور یہ نام کسی اور مذہب نے اپنے خدا کو نہیں دیا۔ یہ ایک ایسا پیارا نام ہے جو کہ اس ذات پاک کی تمام خوبیوں اور احسانوں کو انسان کے دل پر یک دم اس طرح نقش کر دیتا ہے کہ اس میں سے محبت کا ایک تیز شعلہ نکل کر اس دوئی یا شرک کو جلا دیتا ہے جو کہ انسان کے ساتھ ایک خفیہ دشمن کی طرح لگا رہتا ہے اور ایک صلاحیت رکھنے والا انسان اس نام کو اپنی زبان پر لا کر بے چین ہو جاتا اور محبت کے درد کو محسوس کرتا ہے کیونکہ معاً اس کو خدا تعالیٰ کی خوبیاں اور اس کے محاسن کا ایک مختصر نقشہ یاد آتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی طاقتوں پر نظر کرتا ہے تو اس کی بڑائی جبروت شوکت اور صولت کو دیکھ کر حیرت میں آجاتا ہے اور دنگ رہ جاتا ہے اور جب اپنی کمزوری بے بساطی بے کسی بے بسی پر نظر کرتا ہے تو حیرت تعجب اور دبدبہ محبت کی گداز کر دینے والی گرم جوشی میں بدل جاتے ہیں اور اس وقت انسان نہیں جانتا کہ میں اس محبت کو کس طرح ظاہر کروں اور وہ محبت ایسی زبردست ہوتی ہے کہ انسانی دل میں سما نہیں سکتی اور آخر آنسوؤں کے رنگ میں اس کو کسی قدر ٹھنڈا کیا جاتا ہے پھر انسان خدا تعالیٰ کی بزرگی پاکی اور قدوسیت پر نظر کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنی گنہگاری غفلت اور سستی کو جانچتا ہے تو پھر وہی پہلی حالت اس پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ اس مشت خاک پر یہ احسانات سوائے اس رحیم و کریم ذات کے اور کون کر سکتا ہے اور کس کی طاقت ہے کہ ہمارے گناہوں کو بخشے اور پھر ساتھ اس قدر انعامات کرے کہ زبان تو الگ رہی اگر ہزار سال تک ہمارا ہر ایک ذرہ ان کو گنے تو بھی ناممکن ہے کہ گن سکے۔ غرضیکہ اللہ کا نام زبان پر آتے ہی انسان کے دل و دماغ محبت کی زنجیر میں پروئے جاتے ہیں اور جتنا اس نام کی وسعت پر غور کرو اتنا ہی اسلام کی سچائی کا یقین دل میں پختہ

ہو جاتا ہے اور یہ اسلام کے خدا کی طرف سے ہونے پر ایک بین دلیل ہے کیونکہ کسی اور مذہب نے خدا کی صفات اور طاقتوں کا اس طرح بیان نہیں کیا تھا اور صرف اسلام نے ہی اس بحر بے کنار کو ایک چھوٹے سے لفظ میں بند کیا ہے کہ اگر اس کی تشریح کی جائے تو خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر سمندر سیاہیوں کے ختم ہو جائیں تب بھی وہ ختم نہ ہو اور انسان کی طاقت ہی نہیں کہ اس کو بیان کر سکے صرف خدا تعالیٰ ہی قادر ہے کہ اپنی صفات اور طاقتوں کو بیان کر سکے اور اسی کا کام ہے کہ اس نے ایک اللہ کے لفظ میں سب کچھ بھر دیا۔

اور چونکہ سوائے اسلام کے تمام مذاہب ناقص اور نامکمل تھے اسی لئے ان میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا اور ان میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو کہ اس لفظ کا قائم مقام ہو سکے اور اس لئے وہ توحید کے ثابت کرنے میں قاصر رہے گا مگر اسلام چونکہ کامل اور مکمل مذہب ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس میں یہ لفظ رکھ دیا کہ جس سے شرک کی سخت بیخ کنی ہوتی ہے اور وہ شخص جو کہ خدا پر میشور کو اللہ مانتا ہو ممکن ہی نہیں کہ شرک پر یقین رکھے یا بدعتوں کو جائز ٹھہرائے پس جیسا کہ اسلام نے ایک ہی لفظ سے شرک کا درخت جڑ سے اکھیڑ دیا۔ اس طرح تمام مذاہب باوجود اپنے تمام دعووں اور لاف و گزاف کے نہیں کر سکے پس کیا اسلام نے توحید کو دنیا پر ثابت کیا ہے یا دوسرے مذاہب نے؟ کوئی عقلمند بھی ان کھلے کھلے دلائل کے ہوتے ہوئے باور نہیں کر سکتا کہ غیر مذاہب نے شرک کی اس قدر بیخ کنی کی ہے جس قدر کہ اسلام نے بلکہ اس کے پاسنگ بھی نہیں کی اور ایسے لفظ کا ان میں نہ ہونا ان مذاہب کے نامکمل ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جب خدا کی ہستی کو پوری طرح ظاہر کرنے والا لفظ ہی ان میں نہیں تو وہ اس ہستی کو سمجھ ہی کس طرح سکتے ہیں اگر کسی اور زبان میں ایسا لفظ ان کے موعود ذہنی پرمیشور یا خدا کے لئے موجود ہے تو اس کو پیش کر کے ہم کو جھوٹا ثابت کریں۔

ناظرین یہ لفظ ایسا وسیع ہے اور خدا کی ہستی کا مفہوم اس طرح بیان کرتا ہے کہ ایسی ہستی مان کر جس کا نام اللہ ہو ہم شرک قطعاً نہیں کر سکتے کیونکہ علاوہ ان صفات اور قوتوں کے جو کہ اس نام میں ہیں اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ہستی جس کا یہ نام ہے اس کا کوئی شریک نہیں پس اسلام نے یہ نام بتا کے دنیا پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا انکار کرنے والا خدا اور مخلوق دونوں کے نزدیک سخت گنہگار ہے۔ اب ہم یہ تو ثابت کر چکے ہیں کہ اسلام نے ایک اللہ کے لفظ سے ہی شرک کی جڑ اکھیڑ دی ہے اور اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے توحید کو مسلمانوں کے دلوں میں کئی طرح بٹھایا ہے جیسا

کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان جب سے پیدا ہوتا ہے اس کو توحید کا سبق دیا جاتا ہے ایک بچے کے پیدا ہوتے ساتھ ہی اس کے کان میں اذان کہی جاتی ہے جس میں کہ صاف طور سے ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں اور اس طرح گویا کہ بچہ کے کان میں اس وقت جبکہ وہ ابھی دنیا میں داخل ہی ہؤا ہوتا ہے توحید الٰہی کا کلمہ پھونکا جاتا ہے اور جس طرح جسمانی ترقیات کرنے کے لئے وہ پہلا قدم رکھتا ہے اسی طرح اس کو روحانی ترقیات کی طرف بھی بلایا جاتا ہے اور اس کے کانوں کو ان محبت کے الفاظ سننے کا مشتاق بنایا جاتا ہے جن کا سننا اس کی آئندہ روحانی ترقی کے کے لئے لازمی امر ہوتا ہے پھر ایک مسلمان کو دن میں کئی دفعہ خدا تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا پڑتا ہے ایک نماز میں ہی بیسیوں دفعہ اللہ کا نام لینا پڑتا ہے جو کہ شرک کا قاتل ہے اور نمازیں دن میں پانچ دفعہ پڑھنی پڑتی ہیں اور پھر ہر ایک نماز کے وقت اذان اور اقامت کہی جاتی ہیں جو کہ خود توحید کی تعلیم دینے والی ہیں پھر ہر شادی اور غمی کے موقع پر اور تعجب و حیرت کے موقعہ پر ہمارے لئے ایسے الفاظ مقرر کئے گئے ہیں جن سے کہ توحید کا مفہوم خوب اچھی طرح سے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ خوشی کے وقت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا کلمہ زبان پر لانا جس کے معنی ہیں کہ سب تعریف ہے واسطے اللہ کے اور اس طرح غم کے موقعہ پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:۱۵۷) کا کہنا جس کے معنے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹیں گے پھر تعجب و حیرت کے موقعہ پر سُبْحٰنَ اللّٰہِ کہنا یعنی پاک ہے اللہ پس ہمارے ہر کام میں اٹھتے بیٹھتے توحید کا ذکر ہوتا ہے۔

پھر جب ایک شخص اپنا پہلا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہونے لگتا ہے اس وقت بھی اس سے یہی کلمہ کہلوایا جاتا ہے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پس ان باتوں پر غور کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہی اس واحد خدا کی طرف سے ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے تب ہی تو اس میں توحید کا اس قدر لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب نے توحید کو دنیا میں پھیلانے کے لئے کوئی وسائل اختیار نہیں کئے مگر اسلام نے کئے ہیں اور اللہ کا لفظ جو کہ بذات خود شرک کو رد کرنے والا ہے اسلام نے ہی استعمال کیا ہے اور سوائے عربی کے اور کسی زبان یا مذہب میں اس کا ہم معنی لفظ نہیں پایا جاتا اب چونکہ ہم اپنے اصل مدعا کو ثابت کر چکے ہیں اس لئے دوسری بات کو لیتے ہیں یعنی کفارہ کی نسبت اسلام نے ہم کو کیا بتایا ہے۔

یہ بات پیچھے لکھی جا چکی ہے کہ کفارہ پر ہی عیسائیت کی عمارت کی بنیاد ہے اور اس مسئلہ کے متعلق ہم کافی طور سے لکھ چکے ہیں کہ یہ کسی سچے مذہب کا عقیدہ نہیں ہو سکتا اور چونکہ ہم نے

اسلام کو سچا قرار دیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ دکھایا جاوے کہ اس مذہب میں کفارہ کا عقیدہ باطل سمجھا جاتا ہے اور اس کے لئے کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ قرآن شریف میں جو کہ مسلمانوں کی پاک کتاب ہے اور جس پر ایمان لانا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے اور جس سے کسی مسئلہ کی نسبت بھی باوجود اس علم کے کہ وہ قرآن شریف میں ہے یہ کہنا کہ ہم اس کو نہیں مانتے کفر ہے۔ اس کے متعلق صاف طور سے یہ حکم ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل: ۱۶) یعنی کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کوئی گناہ کرے اور دوسرا اس کو اپنے ذمہ لے لے اور در حقیقت ایسا نہ ہو تو لوگ خدا کا بھی انکار کر بیٹھیں اور ان کو سخت ابتلا پیش آویں کیونکہ اس طرح مذہب کھیل بن جاتا ہے اور انصاف میں فرق آتا ہے پس اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس کو ناجائز ٹھہرایا ہے اور اس بدنما دھبہ سے اسلام کا چہرہ بالکل پاک و صاف ہے۔ اب خدا کے رحمان ہونے کا سوال ہے کہ آیا خدا رحمان ہے یا نہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ صفت رحمانیت کا بہت سے مذاہب انکار کرتے ہیں مثلاً عیسائی، ہنود، آریہ وغیرہ اور ان کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ جو کچھ عطا کرتا ہے وہ صرف ہمارے اعمال کے بدلہ میں ہوتا ہے اور کوئی گناہ بخشا نہیں جاتا جب تک کہ اس کی سزا نہ مل جائے اور اس لئے عیسائیوں کو کفارہ کا مسئلہ ایجاد کرنا پڑا ہے یا یہ کہو کہ کفارہ کی تصدیق کے لئے خدا کی رحمانیت کا اقرار کیا گیا ہے اور ہنود آریہ اور بدھ مذہب وغیرہ کو خدا کی رحمانیت سے انکار کر کے تناسخ کا بعید از عقل عقیدہ ماننا پڑا ہے کیونکہ ان کو یہ مشکلات پیش آئی ہیں کہ چونکہ انسان ضعیف ہے اس لئے وہ گناہوں میں دھنسا رہتا ہے اور اگر اس کی سزا میں اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو پھر تمام لوگ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور اس طرح نجات ناممکن ہو جائے گی پس انہوں نے سوچ کر یہ تناسخ کا مسئلہ نکالا کہ اس دنیا میں ہی بار بار اسے گناہوں کی سزا ملتی ہے اور ہر ایک گناہ یا ہر ایک نیکی کی وجہ سے انسان بری یا اچھی جونوں میں ہمیشہ جنم لیتا رہتا ہے مگر اس عقیدہ کو ہم غلط ثابت کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اسلام نے صفت رحمانیت کی تائید میں بہت زور دیا ہے اور برخلاف دوسرے مذاہب کے اس صفت کو خدا کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے بلکہ قرآن شریف کے شروع ہی میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام میں انسان کی زندگی کے لئے یہ صفت لازمی اور ضروری ہے اور بغیر اس کے انسان کی زندگی محال بلکہ ناممکن ہے کیونکہ خدا کی صفت رحمانیت وہ ہے جس کی وجہ سے خدا بغیر کسی کام کے انسان یا دوسری مخلوقات پر رحم کرتا ہے

اور ان کی ضروریات کو مہیا کرتا ہے پس اگر خدا رحمان نہ ہو تو ایک دم میں انسان ہلاک ہو جائیں کیونکہ ہوا پانی وغیرہ جو کہ ہر ایک جاندار کو میسر ہیں اسی لئے میسر ہیں کہ خدا رحمان ہے اور اگر وہ رحمان نہ ہو تو چاہیئے کہ ہوا بند ہو جائے اور پانی خشک ہو جائے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ پچھلے اعمال کی وجہ سے ہے تو یہ اعتراض ہو گا کہ کیا پچھلے اعمال کی وجہ سے ہر ایک کو ہوا اور پانی ملنے چاہیں کیونکہ کسی نے کم درجہ کے اعمال کئے ہیں اور کسی نے بہت عمدہ 'اور کسی نے گھوڑا بننے کے کام کئے ہیں 'تو کسی نے گدھا بننے کے ہر ایک کے لئے ہوا اور پانی کا مہیا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہ اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ خدا کی صفت رحمانیت کی وجہ سے ہے کیونکہ دوسری صورت میں ماننا پڑے گا کہ تمام لوگ ایک دو ایسے کام ضرور کر لیتے ہیں کہ اگلی جون میں ہوا اور پانی ان کو میسر ہو جائے مگر جبکہ یہ تو معلوم ہی نہیں کہ یہ چیزیں کس نیکی کے بدلہ میں ملتی ہیں تو انسان ایسے کام کیونکر کرتا ہے اور کس طرح کر سکتا ہے۔ پس ہر ایک جاندار کے لئے پانی اور ہوا کا مہیا ہونا خدا کی رحمانیت اور تناسخ کے ابطال پر دلالت کرتا ہے اور پھر ایک اور بات بھی ہے کہ انسان کو دوسرے جانوروں پر فوقیت دینا اور گدھے کو سور کی نسبت اچھا جاننا جو ہے یہ بھی تو خدا کی رحمانیت کا ثبوت ہے جبکہ تناسخ کے ماننے والے صاحب یہ کہتے ہیں کہ اچھے اعمال کرنے والا انسان بنتا ہے اور برے اعمال کرنے والا حیوان تو اس طرح گویا کہ وہ انسان کی نفضیلت دوسروں پر بتاتے ہیں اور یہ نفضیلت سوائے رحمانیت کے ہو نہیں سکتی اور اس بات کو ماننے پر کہ انسان کو دوسرے جانوروں پر نفضیلت ہے یہ سوال ہو گا کہ خدا نے انسان کو دوسرے جانوروں پر نفضیلت کیوں دی اور اس کا جواب ہو گا کہ رحمانیت کی وجہ سے۔ پس اسلام ہم کو یہی بتاتا ہے کہ خدا رحمان ہے اور بڑا رحمان ہے اس نے ہمارے لئے وہ تمام چیزیں جو کہ ضروری تھیں بغیر ہمارے کسی کام کے مہیا کی ہیں اور چونکہ ہم ضعیف مخلوق ہیں اس لئے وہ ہمارے گناہوں کو معاف بھی کر دیتا ہے اور اسی وجہ سے ہمارا دل ہر وقت اس کی طرف جھکتا ہے اور محبت کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ محبوب محبت کرنے والے کی خطائیں اور کوتاہیاں معاف کرے اور اس کی غلطیوں سے درگذر کرے پس اگر خدا ایسا نہ کرتا تو محبت قائم ہو ہی نہیں سکتی تھی جب ایک انسان خدا تعالیٰ کے بے شمار احسانات اور انعامات کو دیکھتا ہے تو خود بخود اس کی طرف جھکتا ہے۔ اور اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ تمام رکاوٹوں کو دور کر کے کسی طرح اس محبوب سے جا ملوں جو کہ میری محبت کا بدلہ دے سکتا ہے اور ایسا خدا صرف اسلام کا خدا ہے وہ رحمان ہے رحیم ہے علیم ہے خبیر ہے اور تمام مخلوقات کا خالق ہے اور یہ تمام باتیں محبت کے تعلق

کو بڑھانے والی ہیں چونکہ وہ خالق ہے اس لئے سب مخلوقات عالم فطرتاً اس کی طرف جھکتی ہے اور اس کے مخلوق ہونے کی وجہ سے ہر ایک ذرہ ذرہ اس کی حمد وثناء میں لگا رہتا ہے اور چونکہ وہ رحمان ورحیم ہے اس لئے اس کے احسانات کو دیکھ کر کوئی ذی روح نہیں جو کہ سجدہ میں نہ گر جائے اور اس کے خیال میں ایسا محو نہ ہو جائے کہ گویا اپنے آپ کو بھول ہی جائے (بشرطیکہ طبع سلیم رکھتا ہو) اور چونکہ وہ علیم وخبیر ہے اس لئے ہر ایک محبت کرنے والا دل اس کی اس صفت سے تسلی پکڑتا ہے اور جانتا ہے کہ میری محبت فضول نہیں جائے گی اور چونکہ قادر ہے اس لئے کسی عمل کے ضائع جانے کا انسان کو اندیشہ نہیں ہوتا اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا اسلام نے دوسری قوموں اور مذہبوں کو اپنے میں داخل کرنے کا کوئی طریقہ رکھا ہے یا نہیں اور اس کے لئے پہلی ہی نظر ڈالنے پر ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں اسی فیصدی سے زیادہ اور قوموں اور غیر مذاہب کے آدمی داخل ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا خدا بخیل نہیں بلکہ چونکہ وہ خالق ہے اس لئے اس نے اپنی تمام مخلوقات کی رہنمائی کے لئے دروازہ کھلا رکھا ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں چاروں طرف وکیل بھیجے تاکہ تمام دنیا میں اس بات کی تبلیغ ہو جائے کہ خدا کا وعدہ پورا ہو گیا اور وہ جو کہ ہدایت اور رشد کا طالب ہے فائدہ اٹھائے اور قرآن شریف میں بار بار آتا ہے کہ قرآن شریف تمام دنیا کی ہدایت کے لئے ہے پس یہ اعتراض جو کہ کئی اور مذاہب پر پڑتا ہے کہ ان میں ہدایت کا دروازہ بند رکھا گیا ہے اسلام پر قطعاً نہیں پڑتا اور اس وقت ہم ان مذاہب کو بھی جو کہ دوسرے اور لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا جائز سمجھتے ہیں یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ان کی کتابوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے ہیں؟ نہیں قطعاً نہیں۔ کسی کتاب نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا مگر قرآن شریف نے یہ دعویٰ کیا ہے بلکہ دوسری کتابوں میں یہ بھی نہیں کہ ہماری تعلیم ہر زمانہ کے لئے ہے اگر کوئی مدعی ہے تو ثابت کرے کہ کسی کتاب نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں ہمیشہ کے لئے ہوں اور مجھے منسوخ کرنے والی اور کتاب کوئی نہیں آئے گی۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی ایسا ثابت نہیں کر سکے گا اور صرف اسلام نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے جیسا کہ ان دو آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف : ۱۵۹) اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ: ۴) جن میں سے پہلے کی نسبت تو خدا تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو فرماتا ہے کہ تو لوگوں کو یہ آیت سنا جس کے معنی ہیں کہ میں تمام دنیا کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں اور دوسری میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت

آخری درجہ تک پہنچادی یعنی اس دین کے بعد اور کوئی دین نہیں آوے گا اور اس دین کو کامل کر کے میں نے اپنی نعمت تم پر بدرجہ کمال پہنچادی ہے پس یہ وہ دعویٰ ہے جو کہ کسی اور کتاب نے نہیں کیا۔ اور غیر مذاہب کا کوئی حق نہیں کہ اپنے مذاہب کو کامل اور ہر زماں و مکاں کے مناسب حال قرار دیں اور ان مذاہب کے پیرواں کا ایسا دعویٰ کرنا گویا کہ مدعی سست اور گواہ چست کی مثال اپنے پر صادق کرنا ہے اور وہ دعویٰ ہرگز ہرگز قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا کوئی حق نہیں کہ بر خلاف اپنی کتاب کے ایک نیا عقیدہ دنیا کے سامنے پیش کریں اور یہ خصوصیت جو کہ اسلام میں ہے اس کا جواب آریہ نہیں دے سکتے کیونکہ وید جس کو کہ وہ کامل کتاب مانتے ہیں ایسا دعویٰ قطعاً نہیں کرتا اور نہ ان کی دیگر پرانی مذہبی کتابوں میں یہ دعویٰ ہے پس اسلام نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے اور اب مخالفین کو چاہیئے کہ ان پر ایمان لائیں کیونکہ کامل کتاب کی ضرورت تو انہوں نے بھی مانی ہے اور ان کی اپنی کتاب کامل نہیں اور ایک قرآن شریف نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے اور اس کے بعد اور کوئی کتاب بھی نہیں آئی پس باوجود اس کے پھر اس سے انکار کرنا ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ تمام دوسرے مذاہب نے ایک مکمل مذہب کی ضرورت تسلیم کی ہے اور اسی لئے ان کے پیروان کو ضرورت پڑی کہ اپنے اپنے مذہب کو کامل کہیں مگر وہ مکمل نہیں ہو سکتے کیونکہ نہ تو خود ان کی کتابوں میں یہ دعویٰ ہے اور نہ ہی ان کی تعلیم کامل ہے پس ان حالات کے ہوتے ہوئے ہم اسلام کی نسبت ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی مذہب ہے جو اپنی تعلیم میں کامل ہے اور جو ہر زمانہ کے لئے مناسب ہے اور جو ایک طالب حق کو تسلی بخشتا ہے جیسا کہ ہمارے امام نے فرمایا ہے کہ۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے -:- لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

اب دو باتیں رہ گئی ہیں کہ جن کا جواب دینا ہمارے ذمہ باقی ہے ایک تو یہ کہ اسلام کی تعلیم کیسی ہے اور دوسرے یہ کہ اس میں الہام کا سلسلہ جاری ہے یا نہیں پس پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم جیسی اور کسی مذہب کی تعلیم نہیں کیونکہ اسلام نے تعلیم میں ہر ایک بات کا لحاظ رکھا ہے اور ہم پر دو حقوق فرض رکھے ہیں ایک تو حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد اور یہی دو حقوق ہیں کہ جن پر کسی مذہب کا انحصار ہوتا ہے کیونکہ انسان کو اپنی زندگی میں صرف دو تعلقات سے کام پڑتا ہے ایک تو وہ تعلق جو کہ خدا سے ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو اس کو دوسری چیزوں سے ہوتا ہے اور جس مذہب میں ان دونوں تعلقات کی نسبت تعلیم پوری ہو اس کو خدا کی طرف سے

سمجھنا چاہیئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے اسلام کے اور کسی مذہب نے اس تعلیم کو پورا نہیں کیا۔ حقوق اللہ کے پورا کرنے کے لئے ہم پر عبادت اور محبت الٰہی فرض کی گئی ہے اور حقوق العباد کے پورا کرنے کے لئے ہم پر حسن اخلاق اور احسان فرض کیا گیا ہے اور وہ تعلقات جو کہ اس دنیاوی زندگی میں بھی پیش آتے ہیں ان کی نسبت ایسے احکام دیئے گئے ہیں کہ جن سے نہ تو ہمارے تعلقات میں فرق آوے اور نہ خدا تعالیٰ کی کسی طرح کی نافرمانی ہو۔اس جگہ حقوق اللہ کا ذکر کرنا میں نہیں چاہتا کیونکہ مضمون بہت لمبا ہو جائے گا اور اس کے لکھنے کی ضرورت بھی نہیں جس کو ان کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو وہ شریعت اسلام سے واقفیت حاصل کرے مگر مختصراً یہ کہ نمازیں پڑھو اور روزہ رکھو' زکوٰۃ دو' حج کرو' خدا تعالیٰ سے محبت کرو' اس کے نبیوں سے اخلاص رکھو' ملائکہ پر ایمان رکھو' زنا نہ کرو' فسق و فجور سے بچو اور اسی طرح اور بہت سے احکام ہیں اور حقوق العباد میں پہلے تو انسان کا حق خود اپنے پر ہوتا ہے اسلئے اس کے لئے حکم ہے کہ علم سیکھو اور دین کے ساتھ اپنی روزی کا خیال بھی رکھو سوال سے پرہیز کرو تاکہ اخلاق پر اثر نہ پڑے پھر والدین کے تعلق کی طرف حکم ہے کہ ان کی فرمانبرداری کرو۔بیوی کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ پھر اولاد کی نسبت ہے کہ ان کی اچھی طرح تربیت کرو بھائیوں اور بہنوں کے لئے حکم ہے کہ ان سے نیک سلوک کرو۔دوستوں سے محبت اور اخلاق برتو' ہمسایوں کا خیال رکھو' مسافروں کو مدد دو' غریبوں پر رحم کرو' قیدیوں کو چھڑاؤ (بشرطیکہ ان کی اصلاح کی امید ہو) اور گورنمنٹ کی وفاداری کرو غرضیکہ وہ تعلقات جو ایک بندے کے خدا سے ہونے چاہئیں اور وہ جو کہ بندوں سے ہونے چاہئیں ان سب کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ ایک بد طینت آدمی بھی اگر ان پر عمل کرے تو فرشتہ بن جاوے پس یہ ایسی تعلیم ہے کہ اگر صرف اسلام میں یہی ہوتی تو بھی یہ مذہب اس قابل تھا کہ اس کی پیروی کی جاتی اور یہاں تو ایک ایسی بڑی خوبی اس میں موجود ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کا انکار کرنا نہایت سخت بے شرمی ہے۔اور وہ خوبی یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کی طرح الہام کے سلسلہ پر مہر نہیں لگائی بلکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ جو میرے احکام پر چلے اور نیکی اور تقویٰ کا بیج اپنے دل میں بوئے اور اخلاص اور محبت کو خدا سے بڑھائے اس کو بلا امتیاز قوم اور بلا خصوصیت ملک ہر ایک زمانہ میں الہام ہو سکتا ہے اور یہ وہ دعویٰ ہے جس کا مقابلہ اور کوئی مذہب نہیں کر سکتا عیسائیت ہے تو وہ الہام سے منکر۔یہودی مذہب ہے تو وہ الہام کا مخالف۔ہندو ہیں تو الہام کے ہونے سے مایوس اور آریہ کا کہنا ہی کیا ہے۔وہ تو الہام کو فضول اور لغویات قرار دیتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ الہام ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے کہ ہر ایک زمانہ کے لوگوں کا دل تسلی پا سکتا ہے۔ اگر کسی زمانہ میں الہام ہوتا تھا تو آج کیوں نہیں ہوتا کیا خدا پچھلے زمانہ میں بولتا تھا اور اب نہیں بولتا کیا وہ کسی زمانہ میں سنتا تھا اور اب نہیں سنتا۔ وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے وہ اب نہیں بولتا؟ ایک طالب حق جو کہ دن رات اٹھتے اور بیٹھتے خدا تعالیٰ کی محبت ہی میں محو رہتا ہو اس کے لئے یہ کیسی کمر توڑ دینے والی بات ہے کہ خدا نے کسی زمانہ میں کلام کیا تھا مگر وہ اب کسی سے کلام نہیں کر سکتا۔ آخر اس کے لئے کوئی وجہ ہونی چاہیئے تھی جب بولنا خدا کی صفت ہے تو کیا خدا کی صفات معطل بھی ہو جایا کرتی ہیں؟ اگر معطل ہو جاتی ہیں تو خدا قادر مطلق اور ازلی ابدی کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر معطل نہیں ہوتیں تو اب وہ کیوں نہیں بولتا؟ یہ سوال ہیں جو کہ ایک محقق کے دماغ میں فوراً گونج اٹھتے ہیں جبکہ وہ یہ عقیدہ سنتا ہے اور اس کا جواب کوئی اور مذہب سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں دیتا مگر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کہ اس کا دنداں شکن جواب دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ جو لوگ سلسلہ الہام کو منقطع خیال کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں اس لئے یہ سوال ہی لغو ہے۔ خدا بولتا تھا اور اب بھی بولتا ہے چونکہ یہ اس کی صفت ہے کہ وہ بولتا ہے اس لئے یہ معطل نہیں ہو سکتی اور یہ اسلام کا دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی وہ دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں میں ایسے آدمی موجود رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے مستفیض ہوتے ہیں اور ہر صدی کے سر پر ایک مجدد ہوتا ہے جو الہام کے جھٹلانے والوں کے ردّ میں ایک زندہ دلیل ہوتا ہے اور اس بات کے ثبوت کے لئے کہ آیا کسی شخص کو واقعی الہام ہوتا ہے یا نہیں خدا تعالیٰ نے یہ علامت رکھی ہے کہ ایسا شخص غیب کی خبریں بتاتا ہے اور وہ پوری ہوتی ہیں مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ہر ایک غیب اس پر ظاہر ہوتا ہے بلکہ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ بعض خبریں غیب کی خدا تعالیٰ پیش از وقت بتاتا ہے تاکہ لوگوں کو اس بات کا ثبوت دے کہ درحقیقت یہ شخص جھوٹا نہیں ہے بلکہ میری طرف سے ہے اور اس کا دعویٰ سچا اور بادلیل ہے مگر چونکہ غیب کی خبریں تو بعض دفعہ نجومی اور جوتشی بھی دیتے ہیں اور بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ ان کی باتیں پوری ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ہر موسم میں کچھ نہ کچھ بکتے رہتے ہیں آخر کوئی نہ کوئی بات پوری ہونی ہی ہوئی اور پھر یہ کہ ایک کہتا ہے بارش ہوگی۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں ہوگی آخر ان دونوں میں سے ایک کی بات تو پوری ہوگی پس جس کی بات پوری ہو گئی اس کی دھاک بندھ گئی اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے پاک بندوں اور ان دنیا کے کیڑوں کے درمیان فرق رکھا ہے ایک تو یہ ہے کہ نجومی کی بات تو کبھی پوری ہوتی ہے اور کبھی

نہیں ہوتی۔ مگر ان لوگوں کی پیشگوئیاں ہمیشہ پوری ہو کر رہتی ہیں ہاں عذاب کی پیشگوئیاں بعض دفعہ ٹل جاتی ہیں مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ لوگ جن کی نسبت وہ پیشگوئی ہوئی ہو توبہ کریں اور گناہوں سے بچیں اور اپنے پچھلے گناہوں کا اقرار کر کے خدا سے عفو مانگیں اور اس صورت میں ان کی سچائی اور بھی صفائی سے ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرا یہ فرق ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی پیشگوئیاں اپنے اندر ایک خدائی جلال رکھتی ہیں جن کے پورا ہونے سے ان کی بڑائی اور ان کے مخالفوں کی ذلت ہوتی ہے پھر ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ظہور کے وقت لوگ خواہ مخواہ ان کی مخالفت کرتے ہیں حالانکہ نجومیوں کی مخالفت کوئی نہیں کرتا اور ان کے ساتھ مخالفت کرنے کا نتیجہ آخر یہ ہوتا ہے کہ دشمن ہلاک ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑی ان کی سچائی کی دلیل نصرت الٰہی ہوتی ہے یعنی دعاؤں کا قبول ہونا' دوستوں کی تعداد اور فرمانبرداروں کی جماعت کا بڑھنا' دشمنوں کا پے درپے ہلاک ہونا اور زمینی اور آسمانی شہادتوں کا جمع ہونا غرضیکہ یہ ایسے امور ہیں کہ عقلمند آدمی ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جبکہ وہ ایسا زمانہ دیکھے وہ آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ آیا مدعی جھوٹا ہے یا سچا۔ اور اس کو خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے یا القائے شیطانی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو بکرؓ نے نبی کریم ﷺ کا دعویٰ سنتے ہی قبول کیا اور فراست سے سمجھ لیا کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا اور اس زمانہ میں مولوی نور الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فوراً پہچان لیا اور ایمان لائے کہ یہ شخص کاذب نہیں اور اس کا بدلہ ان لوگوں کو یہ ملتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک باقی لوگوں کی نسبت زیادہ مقرب ہو جاتے ہیں مگر باوجود آسان ہونے کے ایسے لوگوں کا پہچاننا مشکل بھی ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مؤمن اور منافق میں فرق کرنے کے لئے لوگوں کو ابتلاء میں بھی ڈالتا رہتا ہے پس بڑا ہی دلیر ہوتا ہے وہ انسان جو کہ باوجود ابتلاؤں کے ایسے شخص کو قبول کرتا ہے اور آفات و مشکلات زمانہ سے بالکل بے خوف و خطر رہتا ہے۔

اب میں اصل مطلب کی طرف لوٹتا ہوں کہ اسلام میں ہر وقت ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو وحی الٰہی سے مستفیض بھی ہوتے ہیں اور ان کی بدولت دوسروں کو بھی الہام ہو جاتے ہیں اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان کی تصدیق کریں اور الہام پر یقین کریں کہ یہ بھی کچھ چیز ہے اور عام لوگوں کو بھی ان کے زمانہ میں سچی خوابیں آتی رہتی ہیں تاکہ وہ بھی الہام کے وجود میں شک نہ لائیں پس کیا ایسا مذہب قابل قدر ہے جو کہ خدا سے ہم کلام کروا کر انسان کی تسلی کرتا ہے یا وہ جس میں ہمیشہ کے لئے مکالمہ و مخاطبہ کا دروازہ بند کیا گیا ہے؟ آریہ لوگ اپنی شوخی کی وجہ سے یہ اعتراض کیا

کرتے ہیں کہ کیا خدا ابھی کبھی کبھی خوش ہو کر اپنے بندوں سے ملاقات کرتا ہے مگران دریدہ دہن مخالفوں کو اس وقت یہ بات بھول جاتی ہے کہ پر میشور بھی ایک زمانہ میں رشیوں کے ساتھ ملاقاتیں کیا کرتا تھا اگر وہ کوئی عیب کی بات نہیں تو یہ بھی نہیں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو قطعاً خیال نہیں آتا کہ ایک مردے اور زندے کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے یا ایک اندھے یا سوجاکھے کا کیا جوڑ ہے اگر دوسرے مذہب مردہ ہیں تو اسلام زندہ ہے کیونکہ وہ اس زندگی کے پانی سے محروم ہیں جو کہ وحی کے رنگ میں اسلام میں ہر دم تازہ روح پھونکتا ہے اور دوسرے مذاہب اگر اندھے ہیں تو یہ اسلام سوجاکھا ہے کیونکہ دوسرے مذاہب کی روحانی آنکھیں وحی کی روشنی سے محروم ہیں اور اسلام کی آنکھوں میں دن رات وحی والہام کی روشنی کا سرمہ ڈالا جاتا ہے اگر انسان غور کرے تو یہ بات سمجھ میں آنی کچھ مشکل نہیں ہے کہ وحی کے بغیر محبت کامل ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ کیا ثبوت ہے کہ خدا قادر ہے اور وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے جب کہ ہم کو کوئی جواب ہی نہیں ملتا تو ہمارے پاس اس کے ہونے نہ ہونے کی کیا دلیل ہے اور جبکہ ہم کو اس کے وجود کا یقین نہیں تو اس سے ہماری محبت کامل کیونکر ہو سکتی ہے؟ پس محبت کے کامل ہونے کے لئے الہام کی سخت ضرورت ہے اور یہ زندہ ثبوت اسلام کے پاس ایسا موجود ہے جس کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کچھ بھی نہیں پیش کر سکتے۔ اگر غور کیا جائے تو وحی ایک پانی کے چشمہ کی طرح ہے اور مذاہب درختوں کی طرح پس اسلام تو وہ درخت ہے جو کہ عین چشمے میں کھڑا ہے اور جس کی جڑوں میں ہر وقت پانی جذب ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ درخت تازہ اور سرسبز رہتا ہے اس کی ٹہنیاں نرم پتے سبز پھول خوشبودار اور پھل شیریں اور تازہ ہیں مگر دوسرے مذاہب اس درخت کی طرح ہیں جو کہ پانی کی بہت ضرورت رکھتا ہو اور خشکی سے اس کی چھال گر رہی ہو اور جس کے اردگرد کوسوں تک پانی کا نام ونشاں نہ ہو اور جس کے پتے گر گئے ہوں پھل کبھی لگا ہی نہ ہو پس کیا وہ درخت جو کہ چشمہ میں ہے نفع رساں ہے یا وہ جو کہ خشک کھڑا ہے۔ سبز درخت سے تو بہت فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں مگر اس درختِ خشک سے سوائے ایندھن کے اور کیا کام لیا جا سکتا ہے۔

اب میں اپنے مضمون کے خاتمہ پر پہنچ گیا ہوں کیونکہ میں نے ثابت کیا ہے کہ غیر مذاہب کے خدا اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے محبت کی جائے اور ان کی تعلیم ایسی ناقص ہے کہ انسان اس پر عملدرآمد نہیں کر سکتا مگر ساتھ ہی یہ بھی ثابت کر چکا ہوں کہ اسلام پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا اور اسلام کی تعلیم انسانی فطرت کے مطابق ہے اور خدا قادر مطلق ہے اور کل عیوب سے پاک ہے اور سب سے بڑی

خصوصیت اسلام میں یہ بتائی ہے کہ اس میں محبت کرنے والے کو بالکل صاف جواب نہیں ملتا بلکہ خدا تعالیٰ اس کے امتحان کے بعد اس سے ہم کلام ہوتا ہے اور اس محبت کی گرمی کو جو محبت کرنے والے کے دل میں ہر ایک چیز کو جلا رہی ہوتی ہے اپنے تسکین دہ کلام سے ٹھنڈا کرتا ہے اور اس سوزش اور جلن کو دور کرتا ہے جو کہ جواب کے نہ ملنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس طرح محبت اور بھی چمک اٹھتی ہے اور اس کے دل میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے کہ میں خدا کے اور بھی قریب ہو جاؤں اور اس طرح بڑھتے بڑھتے وہ یہاں تک نزدیک ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی نسبت فرماتا ہے اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ یعنی تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرا نام دنیا میں تیرے سبب سے ظاہر ہے اور تیری عزت میرے سبب سے ہے اور درحقیقت خدا تعالیٰ کے نام کا جلال دنیا پر ظاہر کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں جو کہ اس کی محبت کے دریا میں غرق ہوتے ہیں اور ان کی عزت صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔

میں محبت الٰہی کے لفظ پر جس قدر سوچتا ہوں اسی قدر ایک خاص لذت اور وجد دل میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیارا ہے مذہب اسلام جس نے ہم کو ایسی نعمت کی طرف ہدایت کی ہے جس سے ہمارے دل روشن اور ہمارے دماغ منور ہوتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم ہمارے زخمی دلوں کے لئے ایک مرہم کا کام دیتی ہے اور اگر اسلام نہ ہوتا تو بخدا طالب حق تو زندہ ہی مرجاتے اور وہ جن کے دلوں میں محبت کا ذوق ہے ان کی کمر ٹوٹ جاتی۔ اور محبت ایک ناممکن وجود سمجھی جاتی۔ اور اس کو وہم سے موسوم کیا جاتا۔ کیونکہ جب لوگ دیکھتے ہیں کہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس سے ہم محبت کر سکیں تو وہ محبت کے وجود میں شک لانے کے سوا اور کیا کر سکتے۔ خدا نے اسلام سا مذہب انسان کو عطا کر کے غمگین دلوں کو تسکین دی ہے۔ اور زخمی سینوں کو مرہم عنایت کی ہے۔ جب ایک خدا سے محبت کرنے والا انسان دیکھتا ہے کہ وہ جس سے میں محبت کرتا ہوں ایک ذرہ ذرہ کو دیکھتا ہے۔ اور دلوں کی باتوں کو جانتا ہے وہ سنتا ہے اور بولتا ہے اور پھر یہ کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے سے محبت کرنے والے کو بدلہ دے تو اس وقت وہ اپنے دل میں اس محبت کی وجہ سے ایک خوشی حاصل کرتا اور خاص لذت محسوس کرتا ہے۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں ہم سب کو خدا کے ساتھ اخلاص اور محبت نصیب ہو اور وہ لوگ جو گمراہ ہیں ہدایت پائیں اور اس ہستی سے محبت کریں جو کہ محبت کے لائق ہے۔ آمین۔

خاکسار میرزا محمود احمد

(تشحیذ الاذہان مارچ ۱۹۰۷ء)